قسط 11

اعتبارِ وفا

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سُجھائی تک نہیں دیتی۔ ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غُنچے وہیں کھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دُھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں
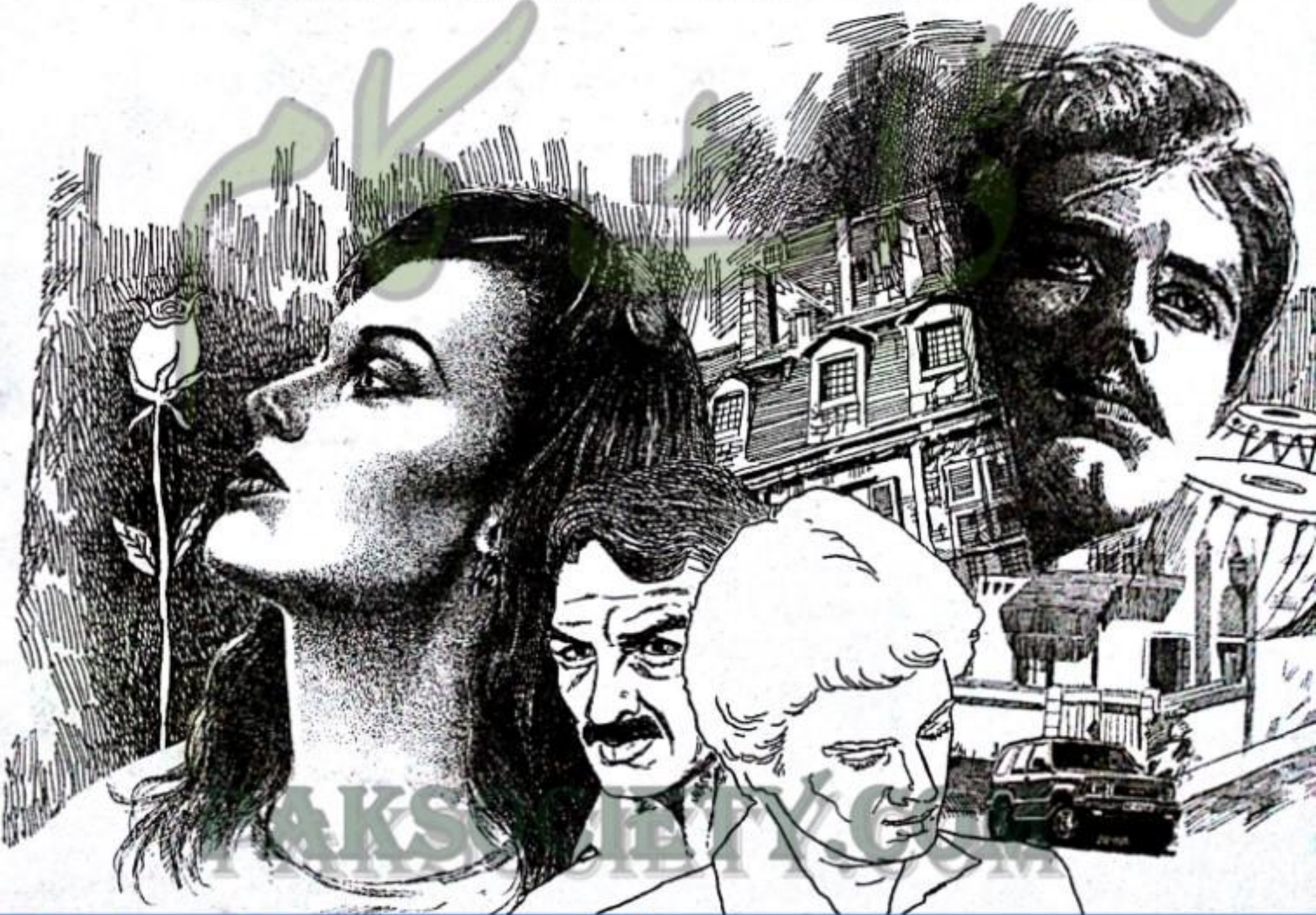
دوڑتے، دوڑتے اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا...... وہ غلیظ آنکھوں والا چوکیدار اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ گو وہ بھاری بھرکم تھا اور اس کی عمر بھی کچھ زیادہ تھی اور اس کے مقابلے میں ارتفاع ینگ تھی. وہ اپنے کالج اور اسکول کے زمانے میں بہترین ایتھلیٹ رہی تھی اور ریس کے کئی مقابلے جیت رکھے تھے پھر بھی اسے لگا جیسے کچھ ہی دیر کی بات ہے، وہ چوکیدار اس کے قریب پہنچ جائے گا۔ ظفری اس کے پیچھے نہیں بھاگا تھا شاید اسے یقین تھا کہ چوکیدار اسے بھاگنے نہیں دے گا۔

''یا اللہ میری مدد فرما۔''

سڑک پر کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی پڑی تو یک دم سیدھا دوڑتے، دوڑتے اس نے اپنا رخ سڑک کی طرف کرلیا اور اندھا دھند سڑک کی طرف دوڑنے لگی۔

''اچھا ہے گاڑی کے نیچے آ کر مر جاؤں۔ یا اللہ تو ہی عزت بچانے والا ہے۔ میری عزت بچالے۔'' دل ہی دل میں دعا مانگتے ہوئے اس نے سڑک پر قدم رکھا۔ بہ مشکل دو منٹ لگے ہوں گے اسے سڑک تک پہنچنے میں اور گاڑی اس کے بالکل قریب آ کر اچھلی اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں...... لیکن ڈرائیور نے بڑی مہارت سے گاڑی کے بریک لگائے تھے۔ اس نے بے بسی سے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے رواحہ نے جھلا کر سڑک کے وسط میں اپنی گاڑی کے عین سامنے کھڑی لڑکی کی طرف دیکھا اگر جو اس نے عظام کا فون اٹینڈ کرنے کے لیے گاڑی کی رفتار کم نہ کی ہوئی ہوتی تو آج اس لڑکی کا خون اس کی گردن پر ہوتا۔ ''کیا یہ لڑکی مرنے کے لیے یوں سڑک پر......؟'' اس نے پھر اس کی طرف دیکھا جو ابھی تک خوفزدہ سی گاڑی کے سامنے کھڑی تھی اور چونک پڑا۔

''رتی......'' اس کے لبوں سے نکلا اور بے اختیار وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اترا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

''رتی......تم یہاں کیسے؟''

''رواحہ......!'' ایک گہری سانس لیتے ہوئے ارتفاع نے اس کی طرف دیکھا۔

''پلیز رواحہ......'' اس کی وحشت زدہ نظریں رواحہ پر پڑیں تو اسے کسی انہونی کا احساس ہوا۔

''وہ......'' ارتفاع نے رخ موڑ کر دیکھا چوکیدار گرین پٹی پر کھڑا خونخوار نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''او کے، تم گاڑی میں بیٹھو رتی۔'' اس نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا اور ارتفاع تیزی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

رواحہ چکر کاٹ کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا اور ارتفاع سے کچھ پوچھے بغیر گاڑی اسٹارٹ کی۔ ارتفاع نے شیشے سے باہر دیکھا چوکیدار گرین پٹی سے اتر کر سڑک کی طرف آ رہا تھا۔

''رواحہ جلدی......جلدی نکلو یہاں سے وہ اِدھر ہی آ رہا ہے۔''

غیر ارادی طور پر ایکسی لیریٹر پر رواحہ کے پاؤں کا دباؤ بڑھ گیا...... کچھ آگے جا کر رفتار کم کرتے ہوئے اس نے ارتفاع کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔

''رتی پلیز ریلیکس......ہم کافی دور نکل آئے ہیں۔ وہ شخص بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو بتاؤ کہ وہ شخص کون تھا، تمہارا پیچھا کیوں کر رہا تھا۔ اور تم رات کے اس وقت یہاں اکیلی......؟ تمہاری گاڑی کدھر ہے، کہیں چھن تو نہیں گئی؟'' رواحہ کو ایک دم ہی خیال آیا تھا کہ ممکن ہے کسی نے اس کی گاڑی چھین لی ہو اور یہ جان بچا کر بھاگی ہو......اگرچہ بہت رات تو نہیں ہوئی تھی ابھی دس بھی نہیں بجے تھے لیکن ان دنوں گاڑی چھننے کی تین چار وارداتیں اسی علاقے میں ہوئی تھیں۔ موبائل وغیرہ چھیننا تو اب معمول بن چکا تھا۔ ابھی نومان کے گھر میں بھی یہی ذکر ہو رہا تھا۔ چند دن پہلے نومان کے بڑے بھائی سے گاڑی چھین لی گئی تھی۔ نومان اس کا کلاس فیلو تھا۔ اس کا دو دن پہلے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ بازو کا فریکچر ہوا تھا سو وہ دوسرے دوستوں کے ساتھ اس کی مزاج پرسی کے لیے گیا تھا۔ عظام کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، اس لیے وہ گھر پر ہی تھا اور اب ایک کلاس فیلو کو اس کے گھر ڈراپ کر کے وہ واپس جا رہا تھا اور......

اس نے ذرا سا رخ موڑ کر ارتفاع کی طرف دیکھا۔ جس کے رونے میں شدت آگئی تھی۔ اپنی پوری زندگی میں وہ اس طرح بے بسی سے نہیں روئی ہوگی جس طرح اب رو رہی تھی۔

''پلیز رتی اپنے آپ کو سنبھالیں۔ گاڑی اگر چلی بھی گئی ہے تو وہ آپ کی زندگی سے زیادہ قیمتی تو نہ تھی، اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ نے آپ کی زندگی اور عزت بچالی۔''

''وہ...... نہیں گاڑی نہیں چھینی کسی نے۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''تو پھر......؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا لیکن وہ روئے چلی جارہی تھی۔

''اگر تم بتانا مناسب نہیں سمجھتیں تو کوئی بات نہیں...... یہ بتاؤ کہاں ڈراپ کروں؟''

''گھر......'' ارتفاع نے آہستگی سے کہا۔

اور ڈرائیو کرتے، کرتے رواحہ نے ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اس کی گود میں ڈالا۔

''پلیز رتی خود کو سنبھالو۔''

ارتفاع نے بھیگی آنکھوں سے رواحہ کی طرف دیکھا جو بے حد سنجیدہ سا ڈرائیو کر رہا تھا۔

''رواحہ یقیناً سوچ رہا ہوگا کہ میں رات کے اس وقت اکیلی کہاں سے آرہی تھی۔ وہ میرے متعلق کچھ غلط بھی تو سوچ سکتا ہے۔'' اس پر یک دم گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ اس نے گود سے ٹشو اٹھا کر چہرہ اچھی طرح صاف کیا۔

''وہ، رواحہ میں......'' اس نے تھوک نگلا اور پھر سر جھکائے سب کچھ بتاتی چلی گئی۔

''مجھے ہرگز علم نہیں تھا کہ اس نے صرف مجھے انوائٹ کیا ہے، آج صبح یونی میں اس نے مجھے انوائٹ کیا...... میں نے سوچا میں اس کی برتھ ڈے پارٹی میں بھی نہیں گئی تھی تو وہ بہت ناراض ہوا تھا۔ اور یہ تو یہاں اسی شہر کی بات ہے...... سب ہی تو جارہے ہیں تو......''

''کم از کم تم عالیہ سے تو پوچھ سکتی تھیں، دوست ہے وہ تمہاری۔'' رواحہ کا رنگ سرخ ہوگیا تھا اور وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

''عالیہ کو میں نے کئی بار فون کیا لیکن اس کا فون بند تھا۔''

''دولت کے نشے میں کچھ لوگ خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگتے ہیں۔ میں ظفری کو اتنا گھٹیا نہیں سمجھتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ آپ کو پسند کرتا ہے بلکہ محبت کرتا ہے اور شاید...... آپ بھی......'' وہ کبھی تم اور کبھی آپ سے اس سے مخاطب تھا۔

رواحہ کی آنکھوں میں ہلکا سا خفگی کا تاثر ابھرا تھا۔

''نہیں......'' وہ یک دم بلش ہوئی۔

''میں تو اسے صرف اپنا دوست سمجھتی تھی۔ مجھے اس کے دل کی خبر نہیں تھی کہ وہ کیا سوچ بیٹھا ہے اور چاند رات والا واقعہ تو میرے تصور میں بھی نہیں تھا۔ یاد ہی نہیں تھا کہ کبھی میں......''

''تم صبح ظفری کی شکایت کر دینا۔'' اس نے ونڈ اسکرین پر نگاہیں جمائے، جمائے کہا۔

''لیکن اس واقعے کا یونی سے تو کوئی تعلق نہیں رواحہ! میں اپنے گھر سے اپنے پیرنٹس کی اجازت سے اس کے گھر گئی تھی اور پھر اس میں میری ہی بے عزتی ہے۔ پلیز رواحہ تم بھی کسی سے ذکر مت کرنا...... آئی ریکوسٹ یو......'' اس کی آنکھیں پھر نم ہوئی تھیں۔

''اوکے...... ڈونٹ وری......'' رواحہ کا لہجہ نرم تھا تسلی دیتا ہوا سا۔

''ماما تو اجازت نہیں دے رہی تھیں لیکن پاپا نے دے دی...... دراصل پاپا نے میری بات کبھی ٹالی نہیں؟'' اس نے خود ہی وضاحت کی تو رواحہ نے آہستگی سے کہا۔

”بعض اوقات والدین کو پتا نہیں چلتا کہ بے جالاڈ پیار سے اپنی اولاد کے لیے وہ خود ہی گڑھا کھود رہے ہیں......
آپ کے پاپا کو اجازت نہیں دینی چاہیے تھی۔“
اس کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے تھے۔
رواحہ کا دل جیسے پگھلا اس کا جی چاہا اپنی انگلی کی پوروں سے اس کے آنسو چن لے......اپنی اس چور سوچ سے گھبرا کر اس نے نگاہوں کا زاویہ بدلا اور ونڈ اسکرین سے باہر دیکھنے لگا۔ وہ سوں، سوں کر کے روتی جاتی اور ٹشو سے ساتھ، ساتھ اپنے آنسو پونچھتی جاتی۔
”پلیز رتی اب رونا بند کریں، مجھے آپ کے رونے سے تکلیف ہو رہی ہے۔ اللہ کا شکر ادا کریں اس نے آپ کو بچا لیا۔ آئندہ احتیاط کیجیے گا۔“
”جی اللہ کا شکر ہے کہ آپ وہاں آگئے اور......اور میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ مر جاؤں گی لیکن......“ بات ادھوری چھوڑ کر وہ پھر رونے لگی تھی۔
”رتی پلیز......ریلیکس ہو جائیں اور چہرہ اچھی طرح صاف کر لیں......گھر والوں سے کیا کہیں گی......آپ کو بچانا مقصود تھا سو اللہ نے مجھے وسیلہ بنا دیا۔“ اس نے سر ہلایا اور دوپٹے کے پلو سے اچھی طرح چہرہ صاف کیا۔
”دراصل غلطی میری تھی اگر عالیہ کا فون بند تھا تو مجھے اکیلے نہیں جانا چاہیے تھا......لیکن میں......“ اس نے پھر چہرے کو صاف کیا اور رواحہ سے پوچھا۔
”اب ٹھیک ہے ناں......پتا تو نہیں چل رہا کہ میں روئی ہوں۔“ وہ معصومیت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی رواحہ نے ذرا رخ موڑ کر اسے دیکھا اور اس کے دل پر ایک ضرب سی پڑی۔ بہ مشکل اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں۔
”ہاں ٹھیک ہے۔“ اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔
وہ کیسے اپنے آپ کو رتی سے محبت کرنے سے روک پائے گا۔ کتنے دنوں سے وہ خود کو سمجھا رہا تھا لیکن دل تھا کہ اختیار میں نہیں تھا......اور اگر......میں اللہ سے ارتقاع کو مانگوں تو اللہ ضرور اس کے دل میں میری محبت پیدا کر دے گا لیکن ہم انسان دنیاوی سہارے ڈھونڈتے پھرتے ہیں حالانکہ اللہ اپنے بندوں کے بہت قریب ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔
رواحہ سوچ رہا تھا اور ارتقاع چور نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی عالیہ نے ایک بار کہا تھا کہ رواحہ اسے پسند کرتا ہے لیکن اس نے عالیہ کی بات پر کوئی خاص دھیان نہیں دیا تھا اور اس کی کہی بات دوسرے ہی دن بھلا دی تھی لیکن اس وقت اسے عالیہ کی بات یاد آرہی تھی......اور اس کا دل یک دم تیزی سے دھڑکنے لگا وہ اپنے دل کی تیز دھڑکن سے پریشان ہو کر باہر دیکھنے لگی۔
رواحہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ دونوں اپنی، اپنی جگہ گہری سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ارتقاع اپنے دل کی کیفیات پر حیران تھی اور رواحہ اپنی سوچوں میں گم تھا یوں کہ اسے احساس ہی نہیں ہوا اور ارتقاع کا گھر آگیا۔ اس نے بریک لگائی تو ارتقاع بھی چونکی۔
”ارے گھر آگیا......!“ رواحہ نے اس کی طرف دیکھا۔
”تھینک یو رواحہ......اگر آپ نہ......“
”اوں......ہوں......“ رواحہ نے اس کی بات کاٹ دی۔
”سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے رتی......انسان تو بس وسیلہ بنتے ہیں۔“ اس کی پلکیں بھیگنے لگیں تو رواحہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔
”رونا نہیں اب پلیز......“

اوراس نے پلکیں جھپک، جھپک کر آنسوؤں کو باہر آنے سے روکا......اور گاڑی سے اترتے ہوئے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور تیزی سے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ رواحہ اس وقت تک ٹھہرا رہا جب تک وہ اندر نہیں چلی گئی......اور پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

☆☆☆

سجل کرسی پر بیٹھی تھی اور اس کی گود میں کوئی کتاب کھلی پڑی تھی۔ لیکن وہ کتاب نہیں پڑھ رہی تھی۔ پتا نہیں اس کا دھیان کہاں تھا اور وہ کیا سوچ رہی تھی۔ سنہری بہت دیر سے اس کے بیڈ پر اوندھی لیٹی کہنیاں تکیے پر ٹکائے اور ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ رکھے اسے دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی موتیا سے چھوٹی سی جھڑپ کے بعد وہ سجل کے کمرے میں آ گئی تھی جب بھی اس کی موتیا سے کوئی بات ہوتی وہ ناراض ہو کر سجل کے کمرے میں آجاتی تھی اور پھر کچھ ہی دیر بعد سب کچھ بھول کر موتیا کو پکارتی ہوئی واپس اس کے کمرے میں پہنچ جاتی تھی۔ سجل نے جب بہت دیر تک سر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا اور یوں ہی کتاب پر نظریں گاڑے کسی گہری سوچ میں گم بیٹھی رہی تو سنہری ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''سجو......''

سجل نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''رات میں نے ایک خواب دیکھا...... بہت انوکھا اور خوب صورت خواب......'' اس نے آنکھیں میچ کر جیسے اس خواب کو تصور میں لانے کی کوشش کی اور پھر آنکھیں کھول کر سجل کی طرف دیکھا جو سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''پتا ہے......'' اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''میں نے خواب میں ایک گھر دیکھا...... جیسے ڈراموں میں ہوتے ہیں۔ بڑے، بڑے خوب صورت گھر...... میں ایسے ہی ایک گھر کے لان میں بیٹھی ہوں۔ لش لش کرتی سبز گھاس اور چاروں طرف خوب صورت پھول اور میں لان کے بیچوں بیچ ایک کرسی پر بیٹھی ہوں اور میری کرسی کے قریب ایک کیری کاٹ پڑا ہے اور کیری کاٹ میں ایک بہت پیاری سی بچی ہے۔ بالکل تمہارے بچپن کی کاپی...... میں بچی کو دیکھ رہی ہوں کہ ایک تین چار سال کا بچہ ماما...... ماما کہتا...... دوڑتا ہوا میری طرف آتا ہے اور میں اسے باہوں میں بھر کر چوم رہی ہوں۔ اور پھر اسی وقت میری آنکھ کھل گئی......اس خواب کی کیا تعبیر ہو گی سجو......'' اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ ''بتاؤ ناں...... کیا تعبیر ہو گی۔''

''خواب دیکھنے سے صحراؤں میں چشمے نہیں پھوٹ پڑتے سنہری اور نہ ہی آک کے پودوں پر گلاب اُگ آتے ہیں۔'' سجل نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا......سنہری نے پلکیں جھپکائیں جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو......اور پھر ہولے سے ہنسی۔

''مجھ سے اتنی...... مشکل باتیں مت کیا کرو سجو...... میں نے تو صرف اپنے خواب کی تعبیر پوچھی ہے۔''

''ایسے خوابوں کی کیا تعبیر ہوتی ہے سنہری جو ہمارے دل میں چھپی آرزوؤں کا پرتو ہوتے ہیں اور ہماری آرزوئیں......'' اس کے لبوں پر ایک مجروح سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ''ہمارے دلوں میں صرف حسرتیں بننے کے لیے جنم لیتی ہیں۔'' سجل کے لہجے میں عجیب سی شکستگی اور درد تھا۔

''تمہارا دل بھی شاید ایسے ہی گھر اور بچوں کی تمنا کرتا ہے اور تم اپنے خوابوں میں اسے دیکھ لیتی ہو۔''

''دفع......'' سنہری نے اپنا دایاں ہاتھ بالکل شاہجہان کے انداز میں جھٹکا۔

''کون بچوں کی ریں...... ریں...... چیں...... چیں میں زندگی خراب کرے...... میرا دل نہیں کرتا ایسی آرزوئیں۔ اپنی نیند سوتی ہوں...... اپنی نیند جاگتی ہوں۔ سنہری نہیں پالتی بچوں کا کھڑاگ......''

وہ بیڈ سے نیچے اتری۔

''سنہری کیا سچ مچ تیرا دل نہیں چاہتا ایک ایسے گھر کا بھلے وہ اتنا خوب صورت نہ ہو لیکن ایک مکمل گھر ہو...... میاں، بیوی، بچے، تم خود ہی تو کہتی تھیں کہ......''

''لو...... وہ تو میں ایسے ہی بک، بک کرتی رہتی ہوں۔'' سنہری نے اس کی بات کاٹی اور جھک کر بیڈ کے نیچے سے اپنی چپل نکالی اور پہن کر سیدھی ہوئی تو نظریں سجل سے ملیں جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لی تھیں لیکن اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا کرب، بے بسی، لاچاری اور تکلیف تھی کہ سجل کو لگا جیسے کسی خنجر کی تیز نوک نے اس کا دل چھولیا ہو...... سجل بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''سنہری تم اماں کو بتا کیوں نہیں دیتیں کہ تم کیا چاہتی ہو؟''

''کیا چاہتی ہوں میں؟'' سنہری نے اب کے آنکھیں اٹھا کر سجل کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر پہلے والے تاثرات نہیں تھے بلکہ اس کی آنکھیں تمسخر اڑاتی سی محسوس ہوئی تھیں۔

''میں کچھ نہیں چاہتی سجو، میں تو بس ایسے ہی وقت پاس کرنے کو باتیں کرتی رہتی ہوں...... ورنہ مجھے تو یہ سب ہی پسند ہے۔ ناچنا، گانا، ہلا، گلا اور......'' وہ مسکرائی اور سجل نے حیرانی سے سوچا۔

''پتا نہیں سنہری کی آنکھیں پل، پل رنگ کیوں بدلتی تھیں۔'' اب وہ ہنس رہی تھیں اور ان میں محبت ہی محبت تھی...... اور یہ محبت سجل کے لیے تھی۔

''لیکن مجھے پتا ہے ناں کہ تمہیں یہ سب پسند نہیں ہے...... تمہیں پڑھنا لکھنا اچھا لگتا ہے اور یہ جو میں نے خواب دیکھا تھا ناں تو تمہارے لیے تھا...... وہ کاٹ میں لیٹی ہوئی ننھی سی بچی تم تھیں اور...... میں نے ہمیشہ سوچا کہ تم غلط جگہ غلط گھر میں پیدا ہو گئیں، تمہیں تو بس ایسے ہی کسی گھر میں پیدا ہونا چاہیے تھا ناں...... اور خواب تو یوں ہی الٹ پلٹ کر آتے ہیں ناں......'' وہ ہنسی تو سجل کو لگا جیسے سمندر کی موجیں یلغار کر کے آنکھوں کے کناروں تک آئی ہوں...... اس نے انہیں پیچھے دھکیل دیا لیکن وہ اپنی نمی چھوڑ گئی تھیں۔ نم آنکھوں کے ساتھ اس نے سنہری کو گلے لگالیا۔

''تم بہت اچھی ہو سنہری اور میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ پتا ہے لاہور میں وہ جو میری کلاس فیلو تھی ناں آمنہ...... اس نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ مجھے ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے مجھے ایسی پیاری سی موہنی سی صورت دی ہے بلکہ مجھ پر تو اللہ کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ تب میں نے سوچا تھا کہ اور کیا ہے اس موہنی صورت کے علاوہ مجھ میں جس کا میں شکر ادا کروں تو مجھے لگا تھا کہ کچھ بھی نہیں...... کیا میں اس بات پر اللہ کا شکر ادا کروں کہ میں شاہی محلے میں پیدا ہوئی اور مجھے میری ماں نے میرے باپ کا نام تک نہیں بتایا لیکن آج میں اعتراف کرتی ہوں میرے پاس شکر کرنے کے لیے اور بھی کچھ ہے...... اللہ نے مجھے تمہارے جیسی اور موتیا جیسی بہنیں دی ہیں۔''

سنہری نے حیرت سے اسے دیکھا یہ سجل تھی جو اپنے سپاٹ چہرے اور بے تاثر آنکھوں کے ساتھ اسے کوئی بے جان مجسمہ لگتی تھی۔ ''اس کے اندر یہ نرمیاں کہاں سے اتر آئیں، کہیں دل میں تو کوئی نہیں بسا لیا......'' اس نے بالکل موتیا کے سے انداز میں سوچا اور پھر خود ہی نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں بھلا کون ہو سکتا ہے...... ضرور اماں سے کوئی بات ہوئی ہے۔''

''چل چھوڑ یہ بتا تیرا چہرہ کیوں لٹکا ہوا ہے، کیا اماں نے......؟'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ہاں، اماں نے میری بات نہیں مانی سنہری۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ گئی اس کی آنکھوں میں وہی بے بسی، وہی لاچاری دکھائی دینے لگی جو کچھ دیر پہلے اسے سنہری کی آنکھوں میں نظر آئی تھی۔

''اماں نے موتیا سے کہا کہ بہت پڑھ لیا جتنا پڑھانا تھا پڑھا دیا۔''

''تو تم اس لیے اتنی دیر سے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور اس لیے اتنی اداس ہو......؟'' سنہری نے پوچھا۔

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ تو مجھے پہلے ہی پتا تھا بس موتیا سے یونہی کہہ دیا تھا۔''

''تو پھر......؟'' سنہری نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں......بس ویسے ہی۔'' اس کا چہرہ پھر سپاٹ ہو گیا تھا اور آنکھیں بے تاثر لگنے لگی تھیں۔

''یونہی ایک کہانی پڑھ رہی تھی تو اسی کے ایک کردار کے متعلق سوچ رہی تھی۔''

''کیا ہمارے جیسا کردار تھا؟'' سنہری متجسس ہوئی۔

''نہیں بس ایسے ہی ایک مظلوم سا کردار تھا۔''

''اچھا......کیا ہمارے جیسا مظلوم......؟'' سنہری نے پھر کہا۔

''کیا تم سمجھتی ہو ہم مظلوم ہیں......؟ نہیں سنہری......مظلوم تو وہ ہوتا ہے جس پر جبر کیا گیا ہو......لیکن ہم پر تو جبر نہیں ہے ناں......تم، موتیا، کرن سب اپنی خوشی اور مرضی سے سب کرتی ہو ناں......تم نے کہا تھا ناں کہ ہم نے کبھی خود کو بدلنے کی کوشش نہیں کی۔''

''تم جبر کسے کہتی ہو سجو؟'' سنہری نے اس سے پوچھا اس کی آنکھوں کا تاثر لحہ بھر کے لیے پھر بدلا تھا۔

''ہم سب جبر کی ہی پیداوار ہیں۔ کیا تمہیں نہیں لگتا کہ ہم جیسی لڑکیاں سب مظلوم ہیں؟''

''نہیں......'' سجل نے نفی میں سر ہلایا۔

''سب نہیں......جیسے رادھا کے چوبارے پر آنے والی وہ کم سن لڑکی......یاد ہے ناں......پتا نہیں کہاں سے آئی تھی وہ......اور رادھا......اسے مار کر نیلوں نیل کرتی تھی لیکن وہ پھر بھی رادھا کی بات نہیں مانتی تھی۔ وہ میری نظر میں مظلوم ہے اور اس جیسی سب......''

''اور یہ تمہاری کتابیں لکھنے والے تو ہمیں مظلوم ہی کہتے ہیں۔''

''نہیں کوئی ہمیں مظلوم کہتا ہے اور کوئی ظالم......'' سجل نے جواب دیا۔

''اور پتا نہیں ہم کیا ہیں ظالم یا مظلوم......؟'' سنہری زور سے ہنسی......اور بہت دیر تک ہنستی رہی۔ سجل حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے کرب جھلکتا تھا۔

''سجو......'' ہنستے ہنستے اس نے آنکھوں کے کونوں میں آجانے والی نمی کو انگلی کی پور سے پونچھا اور اس کی آنکھوں سے جھلکتے کرب کو محسوس کیا۔

''ایک بات سچ، سچ بتاؤ گی سجو؟''

''کیا......؟'' سجل نے نگاہیں اٹھائیں۔

''کیا تمہیں کسی نے اسیر کر لیا ہے؟'' سنہری پُرشوق نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''نہیں......'' اسے سنہری کے سوال سے خوف آیا اور اس نے زبردستی لہجے میں شگفتگی کا تاثر بھرا۔ ''بھلا مجھے کس نے اسیر کرنا ہے پگلی......!''

''کیوں، کیا تمہیں کوئی اسیر نہیں کر سکتا......یاد ہے ناں......وہ جو ہوٹل میں تمہیں دیکھ کر ساکت ہو گیا تھا۔ مانو بے جان مجسمہ ہو......کیا وہ تمہیں دوبارہ ملا؟''

''نہیں......'' سجل نے نفی میں سر ہلایا لیکن اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں۔

''کمال ہے......'' سنہری نے آنکھیں مٹکائیں۔ ''وہ اسی گھر میں تو رہتا ہے جس میں تم اماں کے ساتھ گئی تھیں......میں نے کئی بار اسے اس گھر میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ ایک اور لڑکا بھی ہوتا ہے اس کے ساتھ شاید اس کا بھائی ہے، باپ، دو بیٹے اور ایک ملازم بس اتنے ہی افراد ہیں اس گھر میں۔'' سنہری اسے تفصیل بتا رہی تھی جو یقیناً شاہجہان نے

اسے بتائی ہوگی...... اور یہ ہفتہ بھر پہلے کی ہی تو بات تھی جب شاہجہان اسے ساتھ لے کر سڑک پار اس گھر میں گئی تھی حالانکہ اس نے شاہجہان کو منع کیا تھا۔

''ہم کیا کریں گے وہاں جا کر اماں......''

''اب یہاں آ کر رہے ہیں تو اڑوس پڑوس سے ملنا ملانا تو رکھنا چاہیے ناں......'' شاہجہان سادہ سے شلوار قمیص میں ملبوس ہلکے میک اپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار کھڑی تھی اور اسے شاہجہان کی بات پر حیرت ہوئی تھی کہ پہلے تو خود ہی سب سے کہا تھا کہ آس پاس والوں سے زیادہ میل جول نہ رکھنا اور اب یہاں آتے ہی......

''اکیلی ہی چلی جائیں ناں، میرا جانا کیا ضروری ہے؟''

''لو تم نے وہاں جا کر کیا ہل جوتنا ہے...... بس ذرا آسرے کے لیے لے جا رہی ہوں۔''

اور اس کے نہ، نہ کرنے کے باوجود شاہجہان اسے زبردستی ساتھ لے گئی تھی...... اور وہاں ان کی ملاقات ایک بے حد باوقار اور گریس فل آدمی سے ہوئی تھی جو لاؤنج میں تنہا بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ جب وہ ایک ملازم کے ساتھ لاؤنج میں آئی تھیں تو وہ احتراماً کھڑے ہو گئے تھے۔

''آئیں پلیز ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھتے ہیں۔''

''ارے نہیں بھائی صاحب...... اپنا ہی گھر ہے یہاں ہی ٹھیک ہیں۔'' اس وقت شاہجہان بیگم سادہ سے کپڑوں اور بڑے سے دوپٹے میں خاصی گھریلو سی خاتون لگ رہی تھی۔

''دراصل ہم یہاں کچھ ہی دن ہوئے شفٹ ہوئے ہیں۔ یہ سڑک پار 209 نمبر میں...... سوچا پاس پڑوس سے مل آئیں...... آپ کی بیگم صاحبہ......؟''

''وہ تو نہیں ہیں۔'' ان صاحب کی آنکھوں میں لحہ بھر کے لیے اداسی کا تاثر ابھرا تھا۔

''ویسے آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟''

''ہم لاہور سے آئے ہیں۔''

''ارے آپ لاہور سے آئی ہیں۔'' ان کے لہجے میں ایک انوکھی سی خوشی در آئی تھی۔

''ہم بھی لاہور سے ہی یہاں آئے تھے۔ آپ وہاں لاہور میں کہاں رہتی تھیں اور کیسے آنا ہوا؟''

''گلبرگ میں......'' شاہجہان نے دھڑلے سے جھوٹ بولا تھا اور آدھے سوال کا جواب پی گئی تھی۔ اور سجل کا تعارف کروانے لگی تھیں۔

''یہ میری بیٹی ہے سجل، اس سے بڑی دو اور بیٹیاں ہیں، بیٹا کوئی نہیں......''

''کیا کرتی ہیں آپ...... پڑھتی ہیں؟'' وہ شخص اس سے مخاطب ہوا تھا۔

''میں نے انٹر کے بعد چھوڑ دیا ہے۔'' اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

''اسے تو پڑھنے کا بہت شوق ہے لیکن میں نے منع کر دیا...... کیا کرنا ہے دماغ کھپا کر لڑکیاں کتنا ہی پڑھ لکھ جائیں کرنا تو وہی چولھا چوکی ہے ناں!''

''آپ کی بات بھی صحیح ہے، بہن لیکن بہر حال تعلیم اچھی چیز ہے، برے بھلے کا شعور دیتی ہے، ہاں آپ نے بتایا نہیں کہ کراچی کیوں شفٹ ہوئے آپ لوگ...... آج کل تو کراچی آتے لوگ ڈرتے ہیں......''

''کیا بتائیں بھائی صاحب...... کراچی میں میرا میکا ہے، سسرال لاہور میں، شوہر کا انتقال ہو گیا، کچھ جائداد وغیرہ کے جھگڑے ہیں اور یہاں کچھ میکے کے عزیز ہیں۔ انہی کے آسرے پر بچیوں کو لے کر چلی آئی۔ دو تین خاندانی پرانے ملازم ہیں ساتھ...... جائداد کا تصفیہ ہو گیا تو چلے جائیں گے واپس......'' شاہجہان فرانٹے سے جھوٹ پہ جھوٹ بول رہی

تھی...... بیزار ہو کر اس نے نظریں لاؤنج میں دوڑائیں اور پھر فرسٹ فلور سے نیچے لاؤنج میں آتی سیڑھیوں کے پاس ریلنگ پر ہاتھ رکھے ساکت کھڑے اجنبی پر ٹھہر گئیں جو بظاہر ساکت کھڑا تھا لیکن اس کی آنکھوں سے روشنیاں نکلتی تھیں اور ان میں روح دھڑکتی محسوس ہوتی تھی۔ ان نظروں کی حدت سے اس کے رخسار تپ اٹھے اور اس کی نظریں جھک گئیں۔ شاہجہان نہ جانے کیا، کیا کہہ رہی تھی، وہ سن نہیں رہی تھی وہ تو بس نگاہیں جھکائے سوچ رہی تھی کہ یہ کیسا اتفاق ہے کہ آج تیسری بار وہ اس اجنبی کو دیکھ رہی ہے...... اور......

''ارے عظمی بیٹا وہاں کیوں کھڑے ہو گئے، اِدھر آؤ ان سے ملو...... یہ مسز شاہجہان......''

ان صاحب نے بھی اسے دیکھ لیا تھا اور وہ جیسے کسی ٹرانس سے باہر آیا تھا...... اس کی آنکھوں میں حیرتوں کا ایک جہاں آباد تھا...... وہ ہولے، ہولے چلتا ہوا قریب آیا تھا اور شاہجہان سے دعائیں لے کر سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا...... پتا نہیں ان صاحب نے کیا کہا تھا اس نے سنا نہیں تھا بس اس کا نام ذہن میں رہ گیا تھا۔ ''عظام...... وہ عظام تھا......''

اس کی نظریں بار، بار اس کی طرف اٹھتی تھیں اور اسیر کرتی تھیں۔ سنہری سچ ہی کہتی ہے کہ کہیں کسی نے اسیر تو نہیں کر لیا مجھے...... کر ہی تو لیا ہے ان خوشنما آنکھوں کے سحر نے۔'' نہ، نہ کرنے کے باوجود ان کا ملازم ٹرالی سجا کر لے آیا تھا۔ وہ زیادہ دیر وہاں نہیں بیٹھی تھیں لیکن جتنی دیر وہ وہاں بیٹھی رہیں اس نے گاہے گاہے عظام کو اپنی طرف تکتے پایا تھا اور جب بھی اس کی نظریں عظام سے ملیں اسے اپنا دل پہلو سے نکلتا محسوس ہوا تھا...... اور جب شاہجہان اٹھی تو اس نے شکر ادا کیا تھا اور گھر آتے ہی شاہجہان، ظہورے پر برس پڑی تھی۔

''یہ شیدے لمبے کا دماغ سچ مچ میں چل گیا ہے کیا...... اب مت کرنا اس پر بھروسا...... بھلا اس گھر میں حیاتی دادا کا کیا کام...... باپ پروفیسر اور یونیورسٹی میں جاتے لڑکے...... عورت کوئی گھر میں نہیں پروفیسر کی بیوی مر کھپ گئی مدت ہوئی۔ خواہ مخواہ میں تیم ضائع اور مفت میں تیرہ، چودہ سو کیک پر اٹھ گئے۔''

حالانکہ ہزار تو واپس ہی مل گئے تھے۔ ان صاحب نے آتے ہوئے اس کے ہاتھ پر ہزار روپے رکھے تھے۔ ''بیٹی پہلی بار گھر آئی ہے تو خالی ہاتھ تو نہیں جائے گی۔'' شاہجہان کے انکار پر انہوں نے کہا تھا۔

''ارے مفت میں کہاں شاہجہان بیگم......'' ظہورا بھی اپنے پروں پر پانی تک نہیں پڑنے دیتا تھا۔

''آس پاس لوگوں سے تعلق رکھنے میں بڑے فائدے ہیں۔''

''لے خاک فائدے ہیں، اصلیت کھل گئی ناں کسی روز تو پھر ٹکنے نہیں دیں گے یہاں تجھے یہ آس پاس والے......'' شاہجہان کا افسوس کم نہیں ہو رہا تھا شاید......

''یہ پندرھویں صدی ہے شاہجہان بیگم کوئی 1950 نہیں ہے۔ آج کل کوئی پروا نہیں کرتا کہ پڑوس میں کون آباد ہے۔''

''چل رہنے دے اپنی منطق......'' شاہجہان کا موڈ خراب تھا اور وہ تو حیران تھی، ششدر تھی اپنے دل کی کیفیات پر، اس کے سیدھے سادے نوخیز دل کے ساتھ یہ کیا واردات ہو گئی تھی۔

''سجو......'' وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

سنہری کی نظریں جیسے اسے اندر تک کھوج رہی تھیں۔

''وہ لڑکا ہے تو بالکل ہیرو جیسا کتنا اچھا ہو، وہ تمہیں دیکھے اور پھر تمہیں دل دے دے اور پھر......''

''تم بھی کیا فضول باتیں سوچتی رہتی ہو سنہری......''

''نہیں فضول تو نہیں......'' سنہری اب بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی...... اس نے نظریں جھکا لیں۔

''عورت کی اصل زندگی تو یہی ہوتی ہے ناں گھر، شوہر، بچے......''

''سنہری تم......'' اس نے سنہری کی بات پر بے حد حیرت سے اسے دیکھا اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''نہیں...... ''سنہری نے اس کی بات کاٹی۔ ''یہ میں نہیں کہہ رہی ٹی وی پر ایک ڈرامے میں سنا تھا۔ کسی کو کہتے ورنہ مجھے کیا پتا عورت کی اصل زندگی کیا ہے...... بھئی ہماری زندگی تو یہی ہے...... اور یہی ہمیں اصل لگتی ہے۔'' اس نے کندھے اچکائے۔

''اور حقیقت کو جھٹلانا کیا اتنا ہی آسان ہے جتنا سنہری سمجھتی ہے۔ اپنے آپ سے جھوٹ بولنا دوسروں سے جھوٹ بولنے کی نسبت زیادہ مشکل ہوتا ہے۔'' سجل چپ چاپ اسے دیکھے گئی وہ اس اذیت کو اپنے دل میں اترتا محسوس کر رہی تھی جو سنہری کی آنکھوں میں نظر نہیں آتی تھی لیکن محسوس ہوتی تھی۔

''ویسے سجو...... ''سنہری کی آنکھیں کسی خیال سے چمکیں...... اسے بات بدلنے میں ملکہ حاصل تھا۔

''اگر سچ مچ تیری اس ہیرو سے شادی ہو جائے تو......؟'' یہ کیسی لاحاصل خواہشیں دل میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ خواب جو وہ نہیں دیکھنا چاہتی تھی، سنہری اسے دکھاتی تھی...... ایسے بے تعبیر خواب سوائے اذیت کے اور کیا دے سکتے ہیں...... وہ جانتی تھی...... پر پتا نہیں کیوں سنہری......

''پھر تو تم بیگم صاحبہ بن جاؤ گی، شام میں صاحب اور بچوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر گھومنے جاؤ گی اور کبھی جو بیچاری سنہری اور موتیا تمہاری محبت میں تم سے ملنے آئیں گی تو تمہارا موڈ خراب ہو جائے گا... اور تم گیٹ سے ہی واپس بھجوا دو گی کہ بھلا شاہی محلے......'' سنہری مزے لے، لے کر کہہ رہی تھی اور سجل کو لگ رہا تھا جیسے کوئی بیدردی سے اس کے دل کو نوچ کھسوٹ رہا ہو۔ دانتوں تلے ہونٹ کو سختی سے کچلتی ہوئی وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور سنہری سے رخ موڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو گئی...... اور اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

''سنہری تمہیں تو کہانی نگار ہونا چاہیے۔ لمحوں میں کیسے کہانیاں گھڑ لیتی ہو۔''

''لو......'' سنہری زور سے ہنسی۔ ''الف، ب تو آتا نہیں کہانی کیا لکھوں گی...... پھر ہمیں کیا لکھنے کی اپنی زندگی خود ہی کسی کہانی سے کم ہے کیا؟''

''چل چھوڑ دفع کر ادھر آ تجھے ایک بات بتاؤں۔'' سنہری نے دایاں ہاتھ ذرا سا اوپر کر کے جھٹکا وہی شاہجہان کا سا انداز......

''ہمیں کیا کوئی ہیرو ہو یا زیرو...... ہماری سجو خود کسی ہیروئن سے کم ہے کیا؟'' سجل ایک گہری سانس لے کر واپس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''پتا ہے......'' سنہری اس کے قریب کھسکی۔

''اماں نے تیرے لیے دو تین بندوں سے بات کی ہے وہ جو موتیا والے صاحبزادہ صاحب ہیں ناں انہوں نے سفارش کی ہے کسی سے...... ایک بار تم ٹی وی پر آ جاؤ ناں تو پھر دیکھنا کتنا نام ہوتا ہے تمہارا...... پورے ٹی وی پر تیرے جیسی کوئی نہیں ہے۔''

کچھ دیر پہلے وہ اس کے لیے کچھ اور خواب دیکھ رہی تھی اور اب کچھ اور، موتیا سچ ہی کہتی تھی ایک لمحہ وہ آسمان پر ہوتی ہے اور دوسرے لمحے زمین پر یونہی پل، پل بدلتی سنہری، سجل کو حیران کرتی تھی۔ ایک وہ تھی جو ایک ہی احساس میں گھنٹوں گھری رہتی تھی۔

''سنہری تم...... تم کیوں نہیں بن جاتیں اداکارہ میرے بجائے؟ اماں کو تو بس کسی ایک بیٹی کو اداکارہ بنانا ہے ناں......'' اس نے ملتجی نظروں سے سنہری کو دیکھا۔

''میں......؟'' سنہری اپنی طرف اشارہ کر کے ہنسنے لگی۔

''ہاں تم...... اور کیا......'' سجل نے اس کے ہاتھ تھامے......

''مجھے یقین ہے تم بہت اچھی اداکارہ بن سکتی ہو۔''

''اور تم کیا بیگم صاحبہ بنوگی یا پروفیسر......؟'' وہ پھر ہنسنے لگی تھی اور سجل کے پہلو میں جھومر سا بجا تھا۔ تب ہی موراں نے دروازہ کھولا تھا۔

''کیا بات ہے موراں......؟'' سنہری نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''شاہجہان بیگم... سجو کو بلا رہی ہیں نیچے......''

''کیوں......؟'' سجل نے پوچھا۔

''لو مجھے کیا پتا کیوں...... شاید مہمانوں سے ملوانا ہے۔''

''ہیں، کون آیا ہے؟'' سنہری چونکی۔

''میں نے تو دیکھا نہیں ظہورا انہیں ڈرائنگ روم میں لے گیا تھا۔''

''ضرور صاحبزادہ صاحب ہوں گے۔'' سنہری نے اندازہ لگایا۔

''سجو تیار ہو کر جانا۔''

''ٹھیک ہوں ایسے ہی......'' سجل کے چہرے پر بیزاری تھی۔

''ویسے تمہیں ضرورت بھی کیا ہے تیاری کی......'' سنہری نے تنقیدی نظروں سے اسے دیکھا...... وہ سفید بے حد نفیس سی چکن کی شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ سفید ہی ٹراؤزر تھا۔ سفید رنگ اسے بے حد پسند تھا اور اس پر جچتا بھی بہت تھا وہ جیسے سفید لباس میں دمک اٹھتی تھی۔

''تم بھی چلو ناں......'' اس نے سنہری سے کہا۔

''میں کیا کروں گی اماں نے صرف تمہیں بلوایا ہے، یوں بھی مجھے نیند آرہی ہے۔'' سنہری نے بے نیازی سے کہا اور بیڈ پر لیٹ گئی۔ سجل چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر کرسی پر پڑا دوپٹا اٹھا کر اچھی طرح لیتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

کتاب پڑھتے، پڑھتے انہوں نے سامنے کلاک کی طرف دیکھا۔ دس بجنے والے تھے رواحہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ حالانکہ وہ صرف تھوڑی دیر کے لیے کسی دوست کی طرف جانے کا کہہ کر گیا تھا۔ عظام کو ہلکا سا فلو ہو رہا تھا اس لیے وہ گھر پر ہی تھا۔ کتاب تکیے پر اوندھی کر کے رکھتے ہوئے وہ بے چین سے ہو کر کمرے سے باہر نکل آئے۔ خدا بخش لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''رواحہ ابھی تک نہیں آیا خدا بخش......'' پریشانی ان کے لہجے سے جھلکتی تھی۔

''ہوسکتا ہے دوست نے کھانے پر روک لیا ہو۔'' خدا بخش نے خیال ظاہر کیا۔

''اگر ایسا ہوتا تو وہ فون کر دیتا۔'' رواحہ کے لیے وہ یونہی پریشان ہو جایا کرتے تھے۔

''آپ فون کر کے پوچھ لیں ناں صاحب......''

''اوہ...... ہاں......''

انہیں خود اسے فون کرنے کا خیال نہیں آیا تھا۔ آج کل یونہی ان کا ذہن الجھا ہوا سا رہتا تھا...... کئی بار سامنے کی بات بھی انہیں سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

''خدا بخش میرے کمرے سے میرا فون لے آؤ...... بیڈ سائڈ ٹیبل پر پڑا ہوگا۔''

وہ کمرے میں واپس جانے کے بجائے وہاں ہی لاؤنج میں بیٹھ گئے تھے۔ خدا بخش فون لے کر آیا تو انہوں نے بے چینی سے اس کا نمبر ملایا۔ رواحہ نے فوراً ہی اٹینڈ کیا۔

''سوری...... بابا میں کچھ لیٹ ہوگیا...... ایک دوست کو ڈراپ کرنے ڈیفنس چلا گیا تھا۔ اب گھر کی طرف ہی آ رہا ہوں۔ بس پندرہ بیس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے بیٹا......'' انہوں نے فون آف کرتے ہوئے اطمینان بھری سانس لی۔

''کھانا کھا کر آئیں گے؟'' خدا بخش ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

''نہیں...... خدا بخش وہ بس دس پندرہ منٹ میں پہنچ جائے گا۔ تم ٹیبل لگا دو اور ہاں ذرا اعظام کو بھی پہلے دیکھ آؤ کہیں زیادہ طبیعت خراب نہ ہوگئی ہو۔''

عظام بھی انہیں رواحہ کی طرح ہی عزیز ہو گیا تھا۔

''ٹھیک ہیں وہ صاحب، ابھی پانی دینے گیا تھا تو لیپ ٹاپ کھولے بیٹھے تھے۔'' خدا بخش بتا کر کچن کی طرف چلا گیا تو انہوں نے ٹی وی کی طرف دیکھا۔ جسے خدا بخش چلتا ہی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ٹی وی کی آواز بند تھی...... شاید کوئی ڈراما تھا انہوں نے ریموٹ اٹھایا تاکہ آواز تھوڑی سی بلند کریں اور پھر جیسے ان کی نظریں ٹی وی پر ہی ٹھہر گئیں۔

''چندا......'' ان کے لبوں سے سسکی کی طرح نکلا۔

''لیکن نہیں بھلا چندا کیسے ہو سکتی ہے...... وہ تو؟'' وہ جو کوئی بھی تھی چندا تو ہرگز نہیں تھی۔ وہ بے یقینی سے ٹی وی کی اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھے۔ وہ جو لمحہ بھر پہلے تھوڑا سا رخ موڑے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی...... اب بالکل سامنے دیکھ کر کچھ کہہ رہی تھی۔ انہوں نے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے سر جھکا لیا۔ یہ آج کل انہیں کیا ہو رہا تھا کہ انہیں کسی نہ کسی چہرے پر چندا کا گمان ہونے لگتا تھا شاید ان دنوں وہ ماضی کے متعلق کچھ زیادہ سوچنے لگے تھے۔ جب، جب وہ رواحہ کے متعلق سوچتے، اسے دیکھتے تو ماضی ان کے سامنے آ جاتا ورنہ پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ انہیں کسی اور پر چندا کا گمان ہو...... شاید یہ ان کا الیوژن تھا ورنہ...... انہوں نے نظر اٹھا کر پھر ٹی وی کی طرف دیکھا۔ وہ اداکارہ اب بھی ٹی وی اسکرین پر موجود تھی، وہ اس کے ہلتے ہوئے ہونٹ دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں، اس کے ہونٹ، اس کا چہرہ کچھ بھی تو چندا سے نہیں ملتا تھا پھر پتا نہیں کیوں انہیں لگا تھا کہ...... انہوں نے ٹی وی آف کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا ریموٹ صوفے پر رکھ دیا...... اس روز بھی تو ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ رواحہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے گئے تھے۔ اگرچہ دو تین سالوں سے رواحہ اپنی شاپنگ خود ہی کرنے لگا تھا...... اور جب اس روز اس نے انہیں اپنے ساتھ شاپنگ کے لیے چلنے کو کہا تو وہ حیران ہوئے تھے لیکن بنا کچھ کہے اس کے ساتھ شاپنگ کے لیے چلے آئے تھے۔

''ایسی کیا خاص شاپنگ تھی جو تم نے میرے ساتھ کرنی تھی...... عظمی کے ساتھ چلے جاتے۔'' فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

''خاص ہی تو ہے بابا......'' وہ مسکرایا تھا۔

''عظمی کو بھی ساتھ ہی لے لیتے، وہ گھر میں اکیلا کیا کرے گا......؟''

انہیں عظام کی تنہائی کا خیال آیا تھا۔

''عظمی کی آپ فکر نہ کریں بابا...... وہ اور خدا بخش چاچا اس وقت لوڈو کھیل رہے ہیں...... اور اس وقت تک کھیلتے رہیں گے جب تک خدا بخش چاچا جیت نہ جائیں...... دو بار عظام انہیں ہرا چکا ہے۔''

وہ بھی مسکرا دیے، جانتے تھے کہ خدا بخش کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لیے رواحہ اکثر خدا بخش کے ساتھ لوڈو کھیلنے بیٹھ جاتا تھا اور لوڈو کھیلتے ہوئے خدا بخش کے چہرے پر جو خوشی ہوتی...... وہ رواحہ کو بہت مطمئن کرتی تھی اور اب عظام بھی اس کے ساتھ کبھی کبھار خدا بخش کے ساتھ کھیلنے بیٹھ جاتا تھا۔

''دراصل مجھے آپ کے مشورے کی ضرورت تھی؟''

''کیا کسی خاص ہستی کے لیے گفٹ لینا ہے؟'' انہوں نے اندازہ لگایا تھا۔

''جی بابا...... '' اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ ''عظمیٰ کے لیے گفٹ لینا ہے کل اس کا برتھ ڈے ہے اور میں اسے سرپرائز دینا چاہتا ہوں...... اس لیے اسے خدا بخش چاچا کے ساتھ مصروف کردیا ہے۔'' اس نے وضاحت کی۔

''دراصل چند روز پہلے یوں ہی باتوں، باتوں میں عظام نے کہا کہ بچپن میں اس کا بڑا دل چاہتا تھا کہ اس کے پاپا اس کے لیے بھی برتھ ڈے پارٹی ارینج کریں...... وہ تالیوں کی گونج میں کیک کاٹے لیکن پاپا اتنے مصروف رہا کرتے تھے کہ انہیں کبھی میرا برتھ ڈے یاد نہیں رہا...... تو میں نے تب ہی سوچ لیا تھا کہ اس بار ہم اس کا برتھ ڈے سلیبریٹ کریں گے۔ آپ کو اس لیے بھی ساتھ لایا ہوں کہ گفٹ کے علاوہ کل شام کے لیے کسی اچھی جگہ پر بکنگ بھی کروالیں...... کیک وغیرہ کا بھی انہیں بتادیں گے۔''

اور اس سے انہیں رواحہ پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا...... ان کا رواحہ ایسا ہی تھا نرم دل، ہمدرد...... حالانکہ خود انہوں نے رواحہ کا برتھ ڈے کبھی کوئی خاص اہتمام سے نہیں منایا تھا...... جب وہ تھوڑا سمجھدار ہوا تھا تو خود انہیں یاددلاتا تھا کہ آج اس کا برتھ ڈے ہے اور وہ اسے کوئی گفٹ دلادیتے، کیک لے آتے...... اور پھر جب وہ اور بڑا ہوا تو وہ اس کے یاد دلائے بغیر ہی کچھ نہ کچھ گفٹ لے آتے تھے۔ کبھی کوئی پارٹی ارینج نہیں کی، کبھی اس کے دوستوں کو گھر نہیں بلایا، بچے بہت حساس ہوتے ہیں ضرور رواحہ بھی سوچتا ہوگا کہ اگر میری ماما ہوتیں تو دھوم دھام سے یہ دن مناتیں...... میرے دوستوں کو بلاتیں......

''تم بھی عظمیٰ کی طرح سوچتے ہوگے۔'' دل ہی دل میں تھوڑا سا نادم ہوتے ہوئے انہوں نے رواحہ کی طرف دیکھا...... ''ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال تو ماں ہی رکھ سکتی ہے۔''

''ارے نہیں بابا...... میں نے تو ایسا کبھی نہیں سوچا...... آپ کا گفٹ اور خدا بخش چاچا...... کی دعائیں ہی مجھے سرشار کردیتی تھیں۔'' وہ جیسے ان کی سوچ کو سمجھ گیا تھا۔

''پھر بھی چندا ہوتی تو......'' وہ جیسے اندر سے اب بھی نادم تھے۔

''چھوڑیں بابا یہ بتائیں کون سی جگہ مناسب رہے گی؟'' رواحہ نے ان کی بات کاٹی تھی۔

''کتنے لوگ ہوں گے؟'' انہوں نے پوچھا تھا۔

''بس میں آپ خدا بخش چاچا، جواد اور عظام......'' اس نے بتایا تھا۔

''اور دوستوں کو بھی بلالو۔''

''نہیں بابا...... بس ہم خود ہی کافی ہیں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''دھیان رکھیے گا عظام کو پہلے سے پتا نہیں چلے اور خدا بخش چاچا کو بھی مت بتایئے گا۔ ہوسکتا ہے...... وہ جوش میں سارے سرپرائز کا بیڑا ہی غرق کردیں۔''

وہ سر ہلا کر رہ گئے تھے، اللہ نے ان کے رواحہ کے دل میں کتنی نرمیاں اور محبتیں اتاردی تھیں، سچ میں اس کا دل محبتوں سے گندھا ہوا تھا اور پھر جب وہ عظام کے لیے گفٹ پسند کررہے تھے تو انہیں سائڈ سے گزرتی خاتون پر چندا کا گمان ہوا تھا...... وہ تیزی سے مڑے تھے۔ خاتون شاپنگ بیگ اٹھائے گیٹ کی طرف جارہی تھی...... اب اس کی پیٹھ ان کی طرف تھی لیکن hugo boss کی دھیمی، دھیمی سی خوشبو جیسے وہ وہاں ہی چھوڑ گئی تھی۔ چندا کو بھی hugo boss بہت پسند تھا۔ رواحہ جو کسی دوسرے کاؤنٹر پر کھڑا ٹائی پسند کررہا تھا عین اسی وقت ٹائی لیے ان کے قریب آیا تھا۔

''بابا یہ ٹائی کیسی ہے؟''

''ہاں......'' وہ چونکے تھے، خاتون گلاس ڈور کھولتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ اگر رواحہ اس وقت نہ آجاتا تو یقیناً وہ اپنے وہم کی تصدیق کے لیے اس کے پیچھے باہر تک چلے جاتے...... دل مسلسل کہہ رہا تھا یہ وہی تھی اور دماغ اس کی نفی کررہا تھا

کہ نہیں بھلا وہ کیسے......؟"

"کیا ہوا بابا؟" رواحہ نے پوچھا تھا تو وہ بے بسی سے اس کی طرف دیکھ کر رہ گئے تھے۔ کیا بتاتے کہ وہ کس الیوژن کا شکار ہو گئے تھے۔ بچھڑ جانے والوں کے ہجر اور جدائی میں شاید ایسی ہی حالت ہو جاتی ہے اور بچھڑنے والے بھی وہ جو رگِ جاں ہوں......زندگی سے زیادہ پیارے ہوں۔

ایک گہری سانس لے کر انہوں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی اور کئی مناظر آنکھوں کے سامنے آنے لگے۔ ان دنوں زندگی یک دم کتنی خوب صورت ہو گئی تھی۔

"کیا دنیا واقعی اتنی خوب صورت ہے جتنی مجھے لگتی ہے چندا......!" اس روز وہ یونیورسٹی کے لان میں نیچے گھاس پر بیٹھے تھے۔

"لگتا ہے جیسے ہر شے رقص میں ہو......پودے، درخت، پتے، پھول سب رقصاں ہوں......مست ہوں۔"

"ہم دنیا کو اپنے اندر کے غم اور خوشیوں کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ہم خوش ہوں تو ہمیں لگتا ہے کہ دنیا بہت خوب صورت ہے...... مجھے بھی ان دنوں دنیا بہت خوب صورت لگتی ہے اس لیے کہ خوشی کی تتلیاں میرے اندر رقص کرتی ہیں۔ جب میں اداس تھی تو مجھے ہر سو تاریکی نظر آتی تھی۔" چندا نے تجزیہ کیا تھا۔

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو چندا......" انہوں نے تائید کی تھی۔

"جب بابا جان نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارے ڈیڈی نے انکار کر دیا ہے تو میرے لیے دنیا کی ساری خوب صورتیاں بے معنی ہو گئی تھیں۔ میں سوچتا تھا میں اس رنگوں سے خالی دنیا میں جی کر کیا کروں گا......اور زندگی میرے اندر دھیرے، دھیرے مرنے لگی تھی اور پھر جب بابا جان نے بتایا کہ تمہارے ڈیڈی مان گئے ہیں تو کتنی ہی دیر تک مجھے یقین ہی نہیں آیا اور جب یقین آیا تو ارد گرد جیسے رنگ سے بکھر گئے تھے۔

"وہ جو تیرگی تھی چہار سو وہ سمٹ گئی
وہ جو برف ٹھہری تھی روبرو
وہ جو بے دلی تھی صدف صدف
وہ جو خاک اڑتی تھی ہر طرف"

انہیں جانے کب کی پڑھی ہوئی کسی کی نظم یاد آئی تھی۔

"مگر اک نگاہ سے جل اٹھے
جو چراغ جاں تھے بجھے ہوئے"

"یہ تمہیں شاعری سے کب سے دلچسپی ہو گئی؟" چندا ہنسی تھی لیکن وہ سنجیدہ سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کبھی کبھی میں اب بھی بے یقین ہونے لگتا ہوں چندا...... جیسے یہ کوئی خواب ہے اور آنکھ کھلی تو سب بکھر جائے گا......تمہارے ڈیڈی کیسے مان گئے چندا......؟"

"میرے ڈیڈی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔" چندا کی آنکھوں میں اپنے ڈیڈی کے لیے فخر تھا، مان تھا۔ "ان کے لیے یہ فیصلہ کرنا......مشکل تھا لیکن انہوں نے میری خاطر کیا کیونکہ وہ میری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے تھے۔"

"اور اگر تمہارے ڈیڈی نہ مانتے تو؟" پتا نہیں کیوں انہوں نے پوچھا تھا۔

"تو شاید زندگی میرے اندر بھی مر جاتی اور دنیا کی خوب صورتیاں میرے لیے بے معنی ہو جاتیں۔" اس سے انہیں لگا تھا کہ جیسے وہ دنیا کے سب سے خوش نصیب شخص ہیں کہ جسے انہوں نے چاہا جس سے محبت کی وہ بھی انہیں اتنا ہی چاہتی ہے۔ ان دنوں وہ جیسے ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔ جسے چاہا تھا اسے پانے والے تھے۔ یہ احساس اتنا خوش کن تھا کہ

وہ گھنٹوں اس احساس میں گھرے بیٹھے رہتے تھے۔

بابا جان نے ان کے ایگزام کے فوراً بعد شادی کا پروگرام بنایا تھا۔ چندا کے ڈیڈی کو بھی اعتراض نہیں تھا...... منگنی کا باقاعدہ فنکشن نہیں ہوا تھا کیونکہ چندا کے ڈیڈی منگنی کے قائل نہیں تھے لیکن وہ چندا کے لیے منگنی کی رِنگ خریدنا چاہتے تھے اور جب چندا کے ڈیڈی سے اجازت لے کر وہ چندا کے ساتھ جیولری شاپ سے چندا کی پسند سے رنگ لے کر باہر نکلے تھے تو اس بات سے بالکل بے خبر تھے کہ دو آنکھیں انہیں دیکھ رہی ہیں اور ان دو آنکھوں میں ان کے لیے نفرت ہے...... ایسی نفرت جو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ رنگ خریدنے کے بعد انہوں نے اکٹھا لنچ کیا تھا اور یہ دن ان کی زندگی کے خوب صورت ترین دنوں میں سے ایک دن تھا...... وہ اپنی زندگی کے ان خوب صورت لمحوں کو انجوائے کر رہے تھے اور بابا جان ان کی شادی کی تیاری میں مصروف تھے۔

''بابا جان پہلے مجھے کوئی جاب تو مل جائے۔''

''ہو جائے گی جاب بھی...... میں تاخیر نہیں کرنا چاہتا۔'' بابا جان کو جلدی تھی انہوں نے پلاٹ اور آبائی گھر فروخت کر کے دس مرلے کا ایک گھر لے لیا تھا۔

''میں نہیں چاہتا کہ میری بہو کرائے کے گھر میں آئے۔'' چندا کو بھی گھر بہت پسند آیا تھا اور بابا جان نے چندا کے مشورے سے ہی گھر کے لیے فرنیچر خریدا تھا...... گھر کی ہر چیز چندا کے مشورے سے لی گئی تھی...... رزلٹ آنے کے بعد انہوں نے بابا جان کے مشورے سے پبلک سروس کا امتحان بھی دے دیا تھا اور جس روز ان کا تقرر ایک مقامی کالج میں ہوا تھا اسی روز بابا جان نے ان کی شادی کی تاریخ مقرر کر دی تھی۔

ان کی شادی کی ساری شاپنگ مونا اور اس کی امی نے کی تھی۔ بابا جان نے دل کھول کر پیسے خرچ کیے تھے اور بہت دھوم دھام سے ان کی شادی کی تھی۔ چندا ان کی زندگی میں شامل ہو گئی تھی۔

چندا جو اُن کی پہلی نظر کی محبت تھی جس کو پانا ایک ایسا خواب لگتا تھا انہیں جو شاید کبھی تعبیر نہ پاتا...... لیکن انہوں نے جو خواب دیکھا تھا چندا اس کی تعبیر کی صورت ان کے سنگ، سنگ تھی۔ زندگی کا ہر لمحہ حسین ہو گیا تھا۔

ایسی ہی زندگی کا تو خواب دیکھا تھا انہوں نے اور چندا کی عمر بھر کی رفاقت کی تمنا کی تھی...اور چندا ان کی تھی کیا اس روئے زمین پر ان سے بھی زیادہ کوئی خوش نصیب شخص ہوگا...؟ وہ ماضی میں سفر کرتے چلے جا رہے تھے کہ باہر رواحہ کی گاڑی کے ہارن کی آواز نے انہیں چونکا دیا اور خدا بخش کچن سے ہاتھ پونچھتا ہوا لاؤنج میں آیا۔

''رواحہ صاحب آ گئے ہیں۔''

انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ خدا بخش لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا...... وہ بے دھیانی سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں الوہی سی چمک جیسے وہ تصور میں اب بھی چندا کے سنگ ہوں۔

رواحہ کی گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر عظام بھی لاؤنج میں آ گیا تھا۔

''کیسے ہو عظمی بیٹا؟'' وہ عظام کی طرف متوجہ ہوئے۔

''پہلے سے بہت بہتر ہوں۔'' عظام دائیں طرف والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''لیکن مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہے ہو، تمہاری آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔'' وہ تشویش سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''رواحہ آ گیا ہے تو اس کے ساتھ ڈاکٹر کی طرف چلے جاؤ۔ ڈاکٹر پراچہ کا کلینک بارہ بجے تک کھلا رہتا ہے۔''

''نہیں بابا معمولی فلو ہے، اس نے بہر حال اپنا سرکل تو پورا کرنا ہے اب بہت بہتر ہوں میں......'' عظام نے اپنے دل میں ان کے لیے بے حد محبت محسوس کی...... رواحہ اور اس کے بابا جس طرح اس کا خیال رکھتے تھے۔ وہ اس کے لیے

دل ہی دل میں ان کا ممنون رہتا تھا۔ بہت محبتیں دی تھیں انہوں نے اسے اور اُس روز جس طرح رواحہ نے اس کے لیے برتھ ڈے پارٹی ارینج کی تھی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''رواحہ یہ سب کیا ہے...... میں کوئی چھوٹا بچہ ہوں۔''

''زندگی میں کبھی، کبھی چھوٹا بچہ بننا چاہیے۔'' رواحہ نے اس کے کندھے تھپتھپائے تھے۔

بابا اور رواحہ نے الگ، الگ اسے گفٹ دیے تھے۔ پاپا کو اپنی بے پناہ کاروباری مصروفیات کی وجہ سے کبھی اس کے برتھ ڈے پر اسے وش کرنا یاد نہیں رہتا تھا۔

''السلام علیکم......'' رواحہ لاؤنج میں آیا۔

''بڑی دیر لگا دی۔'' عظام نے اس کی طرف دیکھا۔

''سوری...... یار کچھ دیر ہی ہو گئی۔''

''خدا بخش کھانا لگا دو۔'' انہوں نے کچن کی طرف جاتے خدا بخش سے کہا۔

''ٹیبل سیٹ ہے صاحب، بس پانچ منٹوں میں کھانا لگ جاتا ہے۔''

''سوری...... بابا......'' رواحہ، عظام کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''مجھے آپ کو فون کرنے کا خیال ہی نہیں رہا آپ کو پریشانی ہوئی۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا......'' وہ مسکرائے...... رواحہ کی یہی باتیں تو انہیں اس کا دیوانہ بناتی تھیں۔ وہ بے حد حساس اور ہمدرد تھا۔ انہیں بھی اپنے بابا جان سے بہت محبت تھی لیکن وہ رواحہ کی طرح نہیں تھے۔ کچھ بے پرواسے تھے...... کبھی کبھار بابا جان کو بتائے بغیر ہی دوستوں کے ساتھ چلے جاتے تھے اور پھر بابا جان کو اپنے لیے پریشان دیکھ کر پشیمان ہوتے تھے لیکن رواحہ نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا...... ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو فوراً فون کر دیتا تھا۔

وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

رواحہ ان کی تمام عمر کا حاصل

ان کی عمر بھر کی محرومیوں......

ان کے رستے زخموں کا مرہم تھا......

''کیا بات ہے بابا... آج آپ بہت خوش لگ رہے ہیں۔'' رواحہ نے مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''خوش......'' انہوں نے اپنے اندر جھانکا...... چندا کی رفاقت کی یاد نے ہی اندر چراغاں کر دیا تھا اور جب وہ ان کے ہمراہ تھی تو کیسے چراغ جلتے ہوں گے ان کے اندر اور کیسی ست رنگ روشنیاں ان سے پھوٹتی ہوں گی ان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''جن کے رواحہ اور عظام جیسے بیٹے ہوں ان کے باپ خوش ہی ہوتے ہیں۔ عظام کے پاپا بھی جب عظام کے متعلق سوچتے ہوں گے تو میری طرح خوش ہوتے ہوں گے۔''

''اس کا مطلب ہے آپ میرے متعلق سوچ رہے تھے۔'' رواحہ شوخ ہوا۔

''لیکن بابا آپ کیا سوچ رہے تھے میرے متعلق......؟''

''جب بیٹے جوان ہوں تو باپ، بیٹوں کی شادیوں کے متعلق سوچ کر خوش ہوتے ہیں۔'' خدا بخش ہاتھ میں ہاٹ پاٹ لیے کچن سے نکلا تھا۔

''خدا بخش، اللہ وہ دن جلد لائے۔'' انہوں نے مسکرا کر خدا بخش کی طرف دیکھا۔

''آ جائیں صاحب......'' وہ ہاٹ پاٹ ٹیبل پر رکھ کر مڑا...... اور رواحہ کی طرف دیکھا۔

''انشاء اللہ ہمارے رواحہ کے سر پر جلد ہی سہرا بندھے گا۔''

''لاحول ولا، خدا بخش چاچا میں سہرا ہرگز نہیں باندھوں گا۔''

رواحہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

''لو بھلا سچ مچ کا سہرا تھوڑا ہی باندھنے کو کہہ رہا ہوں۔ بس ایک گلابوں کا ہار گلے میں ڈال دیں گے کیوں صاحب......؟''اس نے ان کی طرف دیکھا۔

''پتا تو چلے کہ دولہا ہے آخر۔''

''بالکل خدا بخش......''وہ کھڑے ہوگئے۔

''چاچا ہار کے ساتھ ایک رومال بھی ہاتھ میں لے لوں گا منہ پر رکھ لوں گا تو پکا والا دولہا لگوں گا۔''اس نے قہقہہ لگایا۔ عظام نے بغور اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ گھر سے نکلا تھا تو اس کی آنکھیں بجھی، بجھی سی تھیں اور اب جیسے ان بجھے چراغوں میں یک دم کسی نے امید کی روشنی بھر دی تھی...... جگر، جگر کرتی مسکراتی آنکھیں......

''لو رومال کیوں پکڑیں گے بھلا آج کل تو دیہاتوں میں بھی دولہے رومال نہیں رکھتے منہ پر۔''خدا بخش کے لہجے کی ناراضی محسوس کر کے رواحہ پھر بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

''بہت خوش لگ رہے ہو رواحہ کیا بات ہے؟''عظام نے آہستہ سے کہا تو وہ ٹپٹا کر کھڑا ہو گیا۔

''میں ہاتھ دھو کر آتا ہوں آپ لوگ شروع کریں کھانا......''

''او کے بیٹا، تم دونوں کھانا کھاؤ میں اب آرام کروں گا۔''

''آپ کھانا نہیں کھائیں گے کیا بات ہے بابا؟''رواحہ جاتے، جاتے مڑا۔

''کچھ نہیں یار بس بھوک نہیں ہے۔''

''یہ آج کل آپ کی بھوک پیاس کیوں اکثر اڑی رہتی ہے خیریت ہے ناں...... کہیں پھر تو بیگ صاحب کی سسٹر نیک اختر......''وہ پھر شوخ ہوا تھا۔

''رواحہ......''انہوں نے اسے گھورا۔

''یہ اپنے خدا بخش چاچا سے پوچھو جنہوں نے شام کی چائے کے ساتھ زبردستی مجھے کیک کھلایا۔''

یہ الگ بات تھی کہ انہوں نے خدا بخش کے اصرار پر ذرا سا پیس ہی لیا تھا۔

''ہاں تو...... خالی سادی چائے تو سیدھی دل کو جا کے لگتی ہے......''اور پھر اس روز سے کیک یونہی پڑا تھا۔ آخر کو ماسی کا پیٹ ہی بھرنا تھا اس کیک سے...... اتنی محبت اور پیار سے تو لائی تھیں وہ اور یہاں کسی نے چکھا تک نہیں......''وہ بڑبڑایا...... اسے کھانے پینے کے متعلق ایسے شکوے رہتے ہی تھے۔

''خدا بخش کھانا کھا کر مجھے ایک کپ چائے بنا دینا۔''انہوں نے خدا بخش سے کہا تو کچن کی طرف جاتے ہوئے اس نے مڑ کر ناراضی سے انہیں دیکھا۔

''بس چائے پی، پی کر جگر ساڑتے (جلاتے) رہیں۔''

''چائے کے ساتھ پھر کیک مت لے جانا چاچا صبح ماسی کو دے دینا۔ اس کے بچے کھا کر خوش ہوں گے۔''وہ ہنسا...... انہوں نے رواحہ کی طرف دیکھا اس کی ہنسی میں بے ساختگی تھی اور آنکھوں میں وہی پرانی چمک تو وہ اس غم سے باہر نکل آیا تھا جس میں وہ پچھلے کئی دنوں سے گھرا ہوا تھا۔ انہوں نے پھر اس روز کے بعد رواحہ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی وہ چاہتے تھے کہ وہ خود ہی دکھ کے اس فیز سے باہر نکل آئے اور وہ نکل آیا تھا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر اور دل ہی دل میں اس کی دائمی خوشیوں کی دعا کرتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں آ گئے...... اندر اب بھی چراغ ٹمٹماتے تھے

اور وہ چندا کے ساتھ گزرے ایک، ایک لمحے کو یاد کر کے ایک بار پھر وہی خوشی محسوس کرنا چاہتے تھے...... آج ایک رات اور ماضی کی نذر ہونے والی تھی۔

رواحہ بھی مسکراتا ہوا چلا گیا تھا اور عظام کی آنکھوں کے سامنے بار، بار وہ منظر آ رہا تھا جب وہ اپنے کمرے سے نکل کر نیچے لاؤنج میں آیا تھا...... بجل ان کے گھر کے لاؤنج میں بیٹھی تھی اس کا چہرہ ویسا ہی تھا سپاٹ اور آنکھوں سے بیزاری جھلکتی تھی۔ وہ سیڑھیوں کے پاس مبہوت سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

پتا نہیں وہ کون تھی۔ شاید رواحہ کی کوئی عزیزہ لیکن اس نے تو کبھی کسی عزیز، رشتے دار کا ذکر تو نہیں کیا تھا...... شاید کوئی ملنے والے ہوں۔ وہ جیسے سحر زدہ سا ہو گیا تھا۔

''ارے یار تم ابھی تک یہاں ہی بیٹھے ہو۔''

رواحہ ہاتھ دھو کر آ گیا تھا۔

وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔ فلو کی وجہ سے اس کا بھی کچھ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا لیکن خدا بخش کی ناراضی کے خیال سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہاں تو خدا بخش چاچا وہ خاتون پھر تشریف نہیں لائیں۔ افسوس میری ملاقات نہیں ہو سکی۔'' رواحہ کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

''ارے کیوں آنا تھا بھلا' یہاں سب چھڑے چھانٹ ان کا کیا کام اِدھر...... اس روز تو غلط فہمی میں چلی آئی تھیں۔'' خدا بخش نے پانی کی بوتل ٹیبل پر رکھی۔

''سچ پوچھیں تو مجھے کچھ اچھی نہیں لگی تھیں وہ، بڑی بناوٹی سی تھیں۔''

''یہ بناوٹی کیا ہوتا ہے چاچا؟'' رواحہ کے لبوں پر شرارتی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''ایسے ہی بن، بن کر بول رہی تھیں۔''

''اس روز تو ان کی صاحبزادی کی آپ خود ہی بڑی تعریف کیے جا رہے تھے۔''

''ہاں تو صاحبزادی تو ٹھیک ہی تھیں۔ خاموش طبع سی۔''

''تو ایسا کریں چاچا کسی روز آپ بھی کچھ فروٹ کیک وغیرہ لے جائیں ان کے گھر۔''

''کا ہے کو لے جائیں، ہم نے کوئی نائی بھیجا تھا کہ اِدھر کیک لے کر آ جائیں...... اور پھر اتنی خاطر تواضع کر دی تھی...... ہو گیا کیک کا بدلا...... خدا جھوٹ نہ بلوائے تو بیگم صاحبہ نے نگٹس کی پوری پلیٹ خالی کر دی تھی۔ آٹھ دس تو تھے ہی...... اور باقی چیزیں علاوہ...... دو تین سموسیاں اور......''

''توبہ، توبہ خدا بخش چاچا آپ مہمانوں کے کھانے پینے پر نظر رکھتے ہیں!''

''میں کیوں نظر رکھنے لگا۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔ ''وہ تو ٹرالی کچن میں لایا تو برتن سنبھالتے ہوئے دیکھا...... نگٹس کی ڈش خالی تھی۔''

''آپ بھی آ جائیں چاچا...... ساتھ ہی کھا لیں۔'' خدا بخش واپس جانے لگا تو رواحہ نے کہا۔

''نہیں بچوں آپ کھاؤ......'' خدا بخش کی آنکھیں ہمیشہ ہی اس عزت افزائی پر نم ہو جاتی تھیں۔ کبھی خاص موقعوں پر ان کے اصرار پر ساتھ بیٹھ جاتا لیکن زیادہ تر وہ کچن میں ہی کھاتا تھا۔ وہاں وہ زیادہ ایزی محسوس کرتا تھا۔ انہیں کھاتے دیکھ کر وہ مطمئن سا کچن میں چلا گیا تو عظام نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''آج بہت چہک رہے ہو روی، بہت دنوں بعد میں نے تمہیں اس موڈ میں دیکھا ہے۔''

''ہاں شاید یہ اس کا اعجاز ہے۔''

''کس کا......؟'' عظام کی سوالیہ نظریں اس پر ٹکی تھیں۔

''رتی کا......'' مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔
''رتی ملی تھی مجھے......'' اس نے کھانا کھاتے ہوئے اسے تفصیل بتائی تو عظام کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں۔
''یہ شخص مجھے کبھی اچھا نہیں لگا لیکن یہ اس قدر گھٹیا ہوگا مجھے اندازہ نہیں تھا۔''
''وہ ہمارے تصور سے بھی زیادہ گھٹیا ہے۔''
''چلو کم از کم اس واقعے کے بعد رتی کو سمجھ آگئی ہوگی کہ وہ کیسا شخص ہے۔'' عظام نے کہا تو رواحہ نے اس کی تائید کی۔
''ہاں یقیناً...... ویسے میں حیران ہوں عظمی کہ کیسے اچانک میں اٹھ کر چل پڑا۔ حالانکہ میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس وقت تو نومان کی طرف جانے کا یہ خیال تھا کہ کل یونیورسٹی سے ہی چلے جائیں گے دونوں پھر نہ جانے کیوں شاید محبت میں دل کے تار جڑے ہوتے ہیں۔''
''کیا یک طرفہ محبت میں بھی؟'' عظام کے لبوں سے نکلا۔
''پتا نہیں......'' لمحہ بھر کے لیے رواحہ کی آنکھوں کی چمک ماند پڑی...... لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پھر چمکنے لگی تھیں۔
''شاید اللہ تعالیٰ اسے میرے ذریعے سے بچانا چاہتا تھا۔ چلو چھوڑو اس سارے قصے کو تم بتاؤ کچھ دنوں سے بہت اپ سیٹ لگ رہے ہو...کیا پاپا یاد آرہے ہیں؟''
''ہاں......اس بار میں انہیں بہت مس کررہا ہوں، کافی دنوں سے ان کا فون بھی نہیں آیا۔''
وہ آج بھی رواحہ کو نہیں بتا سکا تھا کہ اس کا دل بھی اس کی طرح محبت آشنا ہوچکا ہے۔ کیا بتاتا کہ وہ اس لڑکی سے محبت کر بیٹھا ہے جسے جانتا تک نہیں جسے تیسری بار اس نے یہاں اس کے گھر کے لاؤنج میں دیکھا ہے۔ اور وہ اس کے

متعلق صرف اتنا ہی جان سکا ہے کہ وہ اس خاتون کی سب سے چھوٹی بیٹی ہے اور اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔

''کیا محبت اتنی ہی سحر انگیز ہوتی ہے روی کہ محبوب کو محض ایک نظر دیکھ کر ہی اندر پھول کھل اٹھتے ہیں۔'' اس نے رواحہ کی مسکراتی جگر جگر کرتی آنکھوں کو دیکھا۔

رواحہ اس کی بات سمجھ کر مسکرایا۔

''ہاں یار عظمی' یہ محبت اتنی ہی سحر انگیز ہوتی ہے۔ میں نے صرف اسے دیکھا۔ اس کے لہجے کی نرمی...... اس کی ممنون نظریں...... میں نہیں جانتا کہ میں اسے پاسکوں گا یا نہیں...... پھر بھی اندر امید کی ایک لوسی جل اٹھی ہے۔ ننھی سی لو...... لیکن اندھیرے کو ختم کرتی اور مارتی ہوئی......''

''لیکن امید کی یہ لو جلانے کے لیے بھی تو کوئی بیرونی عوامل ہوتے ہوں گے۔'' اس کے پاس تو ایسا کچھ نہیں تھا وہ کتنا بھی اس لو کو جلانے کی کوشش کرتا وہ جلتی بھڑکتی اور بجھ جاتی تھی۔

یک دم رواحہ کی نظر عظام کی پلیٹ پر پڑی۔ اس نے جو ذرا سا سالن ڈالا تھا وہ ایسے ہی تھا اور روٹی بھی یوں ہی پلیٹ میں رکھی ہوئی تھی۔ صرف ایک نوالہ توڑا گیا تھا۔

''عظمی تم کچھ کھا نہیں رہے۔''

''ہاں......'' وہ چونک کر پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

رواحہ اسے کھوجتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ بہت دنوں سے کھویا کھویا سا تھا۔

''خیر کبھی تو کھلے گا میرا دوست......'' وہ مسکرا کر اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔

☆☆☆

وہ سیل فون ہاتھ میں لیے اسکرین پر چمکتے نبیل احمد کے نام کو دیکھ رہا تھا۔ بیل ایک بار بند ہو کر پھر دوبارہ ہونے لگی تھی۔ یوں ہی وقفے وقفے سے دو تین بار بیل ہوئی لیکن اس نے فون اٹینڈ نہیں کیا تھا۔ کچھ دیر بعد بیل ہونا بند ہو گئی تو اس نے اِک گہری سانس لے کر اپنے فون سے وہ سم نکال دی جس کا نمبر نبیل احمد کے پاس تھا۔ اسے اب نبیل احمد سے رابطہ نہیں رکھنا تھا۔ پچھلے ایک ہفتے سے اس کے مسلسل فون اور میسجز آرہے تھے کہ اس کے ابو اور اس کے دادا جان اس سے بات کرنا چاہتے ہیں...... پلیز فون پک کرلیں ابو آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں...... لیکن نہ تو اس نے اس کی کوئی کال اٹینڈ کی تھی اور نہ ہی اس کے کسی میسج کا جواب دیا تھا۔ حالانکہ کئی بار اس کا جی چاہا تھا کہ وہ بڑے ماموں منصور احمد کے مزید حالات دریافت کرلے...... نبیل احمد نے بتایا تو تھا کہ اس کے والد کے تایا کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ پتا نہیں ان کے بیٹے شادی شدہ تھے یا نہیں...... اگر شادی شدہ تھے تو ان کی اولاد ہے بھی یا بڑے ماموں اکیلے رہ گئے ہیں لیکن وہ نبیل احمد سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نبیل احمد سے بات کرنے کا مطلب تھا کہ اسے اس کے والد اور دادا سے بھی بات کرنی پڑتی اور وہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''کیا یہ مکافاتِ عمل ہے......؟ ماموؤں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا تھا یہ اس کی وجہ سے ہے؟'' ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں خیال آیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔

''میں بھلا کہاں کا ایسا برگزیدہ بندہ ہوں جو میری وجہ سے۔'' اس نے ایک جھرجھری سی لی۔

وہ جو کچھ بھی تھا لیکن بااختیار ہونے کے باوجود وہ ماموؤں کے پاس اپنا حق لینے نہیں گیا تھا۔ جلیل خان کے کہنے کے باوجود اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا اور اللہ نے کیسے...... ہاں اپنے دوسرے معاملات میں اس نے اللہ پر بھروسا نہیں کیا تھا بلکہ جلیل خان کو ہی سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ اپنا مسیحا، اپنا مددگار...... اور اسی کے بتائے راستے پر چلنے لگا تھا۔

فرحی نے اس سے بحث کرنا چھوڑ دی تھی۔ لیکن کبھی، کبھی شاکی نظروں سے اسے دیکھتی تھی اور وہ اس کی شاکی نظروں سے نگاہیں چرا لیتا تھا۔ فرحی کچھ کہتی نہیں تھی لیکن وہ جانتا تھا وہ اس کی اس زندگی سے خوش نہیں ہے۔ اسے اس کا جلیل خان کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں ہے۔ اسے یہ بھی برا لگتا ہے جب جلیل خان کے ساتھی اسے دادا کہہ کر بلاتے ہیں لیکن اسے خود برا نہیں لگتا تھا۔ جب سے اس کے نام کے ساتھ دادا کا اضافہ ہوا تھا وہ اپنے اندر بڑی تقویت محسوس کرتا تھا جیسے وہ بہت مضبوط ہو گیا ہو اور اب کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے...... وہ جلیل خان کے ساتھ اپنی اس زندگی سے مطمئن تھا جو اس کی من چاہی نہیں تھی لیکن فرح اکثر بہت بے چین اور مضطرب ہو جاتی...... وہ جب جلیل خان کے ساتھ لاہور ہوتا تب بھی ہفتے میں ایک چکر ضرور لگاتا اور کبھی کبھی، کئی ہفتے وہ خانیوال میں ہی رہتا...... اور کبھی پندرہ، پندرہ دن خانیوال آنہ پاتا...... ایسے میں اس کے آنے پر فرحی بہت مضطرب اور بے چین نظر آتی تھی اور اس کے آنے کے بعد بھی کئی دن تک بے چین رہتی...... وہ بہت کم سوال کرتی تھی لیکن وہ اس کی آنکھوں میں مچلتے سوال پڑھ سکتا تھا۔ جانتا تھا کہ وہ اس کے زیادہ دن نہ آنے پر کیوں پریشان ہو جاتی ہے...... وہ خوف زدہ رہتی تھی کہ کہیں اسے کچھ ہو نہ جائے اور ایک بار اس کا یہ خوف اور خدشہ سچ ہو گیا...... سرحد پار کرتے ہوئے رینجرز کی گولی سے اس کا دایاں کندھا زخمی ہو گیا تھا۔ گو ہڈی بچ گئی تھی اور گولی گوشت پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی پھر بھی خون کافی بہہ گیا تھا اور جلیل خان کے اصرار پر وہ آرام کرنے کے لیے خانیوال چلا آیا تھا۔

''اب مہینہ بھر ریسٹ کرو ثمر حیات...... سمو اور بالی ہیں ناں یہاں اور میری بیٹی بھی خوش ہو جائے گی۔ اکیلے رہتے، رہتے گھبرا جاتی ہے۔'' ہمیشہ کی طرح فرحی نے اس کے اتنے دن بعد آنے پر اس پر ایک شاکی نظر ڈالی تھی اور پھر کندھے کے زخم کا سن کر لمحہ بھر کو تو وہ شاکڈ سی بیٹھی رہ گئی تھی اور پھر دلگرفتگی سے بولی تھی۔

''کبھی تم نے سوچا ہے ثمر اس طرح کے لوگوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟''

''جانتا ہوں، شہباز کی طرح کسی روز زخمی ہو کر آنے کے بجائے شاید لاش کی صورت میں تم تک آؤں تو مرنا تو ہے ہی ایک دن۔'' اس نے بے پروائی سے کہا تھا اور اپنے کندھے کی ڈریسنگ دیکھنے لگا تھا۔

''ثمر......'' بہت سارے دنوں کے بعد فرحی کے لبوں پر شکوہ آیا تھا۔ ''تم ایسے تو نہیں تھے اتنے سخت دل، اتنے پتھر، تم تو بہت نرم تھے، ریشم کی طرح نرم......''

''حالات آدمی کو ریشم سے پتھر میں تبدیل کر دیتے ہیں فرحی...... میں بھول گیا ہوں کہ میں کبھی ریشم تھا، مجھے لگتا ہے جیسے میں تو صدیوں سے ایسا ہی تھا پتھر...... مجھے اسی کام کے لیے تخلیق کیا گیا ہے۔ جو میں کر رہا ہوں۔''

''نہیں ثمر تم پتھر نہیں ہو...... تمہارے دل میں آج بھی وہی نرمیاں ہیں...... اور تم اسمگلر بننے کے لیے تخلیق نہیں کیے گئے تھے ثمر، تم نے ماسٹر کیا تھا...... یہ کام تمہیں زیب نہیں دیتا...... ثمر چھوڑ دو یہ سب کچھ، آؤ ہم مل کر پھر سے زندگی کو شروع کریں۔ یہاں سے دور کہیں کسی اور جگہ...... کسی چھوٹے سے شہر یا کسی گاؤں میں ہم روکھی سوکھی کھا لیں گے۔ اچھی نوکری نہ ملی تو مزدوری کر لیں گے لیکن یہ ہر وقت سر پر لٹکتی تلوار والی یہ زندگی...... ثمر پلیز اس زندگی کو خیر باد کہہ دو...... تم کیا جانو تمہارے جانے کے بعد کیسے ایک، ایک پل مشکل گزرتا ہے میرا ڈر، وسوسے، خوف...... یہ سب مجھے مار ڈالیں گے ثمر......'' اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔ وہ بارہ سال بعد آج پھر اسے یہ زندگی چھوڑنے کو کہہ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ اس کی نم آنکھوں کو دیکھتا رہا اور پھر نرمی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''اس زندگی کا انتخاب ہم نے خود نہیں کیا...... ہمیں اس زندگی کی طرف دھکیلا گیا ہے۔''

''نہیں ثمر...... انتخاب کا حق بہر حال ہمارے پاس تھا۔ لیکن ہم نے اللہ پر بھروسا نہیں کیا...... بلکہ اللہ کے بجائے جلیل خان پر بھروسا کیا...... ہم صبر کرنے والوں میں سے نہیں تھے ثمر...... ہم نے جلیل خان کو اپنا مسیحا سمجھا۔'' فرحی نے نم

آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''تو اور کیا کرتے؟ ہم کہاں جاتے؟ کون تھا ہمارا...... ہمیں بے قصور سزا ملی فرحی...... ہمارے ساتھ جو ہوا ہم کیا اس کے مستحق تھے؟ ہم نے ایسا کیا، کیا تھا جس کی اتنی بڑی سزا ملی ہمیں۔ ابا، اماں، گھر سب چھن گئے۔''

ان دنوں وہ یوں ہی خفا، خفا اور ناراض رہتا تھا اپنے آپ سے، اپنے اللہ سے۔

''تم بے قصور تھے ثمر حیات لیکن میں نے تو قصور کیا تھا ناں...... اپنے ممی، ڈیڈی کا مان اور بھروسا توڑا اور گھر کی دہلیز پار کرلی...... بغیر سوچے سمجھے......''

''لیکن تمہیں اپنی غلطی کا احساس بھی تو ہوگیا تھا پھر...... پھر کیوں کیا اللہ نے ہمارے ساتھ ایسا؟ کیوں ہمیں سزا دی۔''

''اللہ نے ہمیں آزمایا تھا ثمر...... یہ ہماری آزمائش تھی لیکن ہم اس آزمائش پر پورے نہیں اترے...... فیل ہوگئے...... اللہ ہمیں تکلیف دے کر آزماتا ہے ثمر کہ ہم اس تکلیف پر صبر کرتے ہیں یا نہیں اور پھر صبر کرنے والوں کے لیے وہ بہترین اجر کا بھی کہتا ہے لیکن ہم نے صبر کرنے کے بجائے اس کے بندے کو اپنا سب کچھ جان لیا...... اپنا محافظ، رازق بندوں کو سمجھ لیا۔ ہمیں اللہ پر یقین رکھنا چاہیے تھا۔ وہ تو جانتا تھا ناں سب...... وہ ضرور ہمیں اس مشکل سے نکالتا لیکن ہم نے اللہ پر یقین نہیں کیا اور شیطان کے بہکاوے میں آگئے اور اللہ کو ناراض کردیا۔'' وہ رونے لگی۔

''ہم اس پر بھروسا تو کرتے...... وہ ہماری زندگی میں ضرور آسانیاں پیدا کرتا...... بارہ سال ہوگئے ثمر اللہ نے ہمیں اولاد کی نعمت نہیں دی۔''

''بہت سارے لوگوں کی اولاد نہیں ہوتی فرحی...... تو کیا اللہ ان سب سے ناراض ہوتا ہے اس لیے وہ محروم رہتے ہیں؟'' اسے فرحی کا رونا بے چین کررہا تھا۔

''مجھے دوسروں کا نہیں پتا ثمر لیکن ہم نے اللہ کو ناراض کیا ہے...... صبر نہ کرکے اس پر بھروسا نہ کرکے اور میں نے تو ممی، ڈیڈی کا دل بھی دکھایا ہے۔ پتا نہیں وہ مجھے کتنا یاد کرتی ہوں گی۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ آپی سے بھی زیادہ...... اور ڈیڈی...... کی میں کتنی لاڈلی تھی۔ جان تھی ان کی مجھ میں، وہ ہمیشہ مجھے تلچھٹ کہا کرتے تھے اور جب انہوں نے آخری سانسیں لی ہوں گی تو کیا انہوں نے مجھے دیکھنے کی چاہ نہیں کی ہوگی اور میں کتنی بدنصیب ہوں کہ ان سے معافی بھی نہ مانگ سکی اور وہ مجھ سے ناراض ہی دنیا سے چلے گئے۔'' وہ زاروقطار رونے لگی۔

''کیا مطلب......؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''ممی، ڈیڈی دونوں ہی اس دنیا میں نہیں رہے ثمر...... میں نے ایک روز گھر فون کیا تھا کسی ملازم نے اٹھایا تھا۔ اس نے بتایا کہ ممی دو سال پہلے اور ڈیڈی چار ماہ پہلے......'' وہ اونچا، اونچا رونے لگی۔

''میں نے تب کسی کا نہیں سوچا تھا ثمر...... ممی، ڈیڈی، آپی، بھائی کسی کا بھی نہیں اور دیکھو اللہ نے مجھے اولاد نہیں دی۔''

''ایسا نہیں ہے فرحی......'' اس نے اسے گلے لگا کر تسلی دی تھی لیکن وہ روئے چلی جارہی تھی۔

''ان بیتے دنوں میں، میں نے ہر روز اللہ سے معافی مانگی ہے۔ رو، رو کر گڑگڑا کر لیکن اللہ میری نہیں سنتا...... میری توبہ قبول نہیں کرتا ثمر...... ہم بے صبرے تھے۔ ہم نے سوچا تھا ناں کہ ہم خود ہی سب کچھ ٹھیک کرلیں گے لیکن ہم خود کیسے سب ٹھیک کرسکتے ہیں...... تم اب بھی چھوڑ دو یہ زندگی ثمر اللہ پر بھروسا کرو، توبہ کرلو...... معافی مانگ لو۔''

''کرلوں گا توبہ...... مانگ لوں گا معافی......'' وہ ہولے، ہولے اسے تھپکنے لگا تھا۔ اس کا رونا اس سے دیکھا نہیں جارہا تھا۔

بڑی دیر بعد وہ سنبھلی تھی۔

''وعدہ کرو ثمر اگر اللہ نے ہمیں اولاد دی تو تم جلیل خان کا ساتھ چھوڑ دو گے۔'' اس نے وعدہ کر لیا تھا۔

''ہاں اگر اللہ نے ہمیں اولاد دی تو میں یہ زندگی چھوڑ دوں گا۔''

''ہم اپنے بچوں کو یہ زندگی نہیں دیں گے ثمر خوف والی زندگی...... میں نہیں چاہتی کہ ہمارے بچے کسی اسمگلر کی اولاد کہلائیں۔'' وہ چپ چاپ اس کی باتیں سنتا رہا۔ بڑے دنوں بعد اس کے خوابوں نے اس کی آنکھوں میں رنگ بکھیرے تھے اور ان رنگوں سے امید کی جو روشنی پھوٹی تھی اس نے اس سے نظریں چرا لیں۔ وہ اس کے خوابوں کا شریک بن گیا۔ وہ یہ کہہ کر اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا کہ اگر بارہ سال اولاد نہیں ہوئی تو بھلا اب کہاں...... لیکن وہ پُر امید تھی۔

''تم سچے دل سے اللہ سے معافی مانگو گے تو اللہ ضرور معاف کر دے گا۔'' اسے اللہ پر یقین تھا اور اللہ نے اس کا یقین نہیں توڑا...... ان کی توبہ قبول ہوگئی اور اللہ نے انہیں اولاد کی خوشخبری سے نوازا۔

وہ اس روز ہانگ کانگ میں جلیل خان کے ساتھ اس کے فلیٹ میں بیٹھا ہوا تھا جب فرحی کا فون آیا تھا اس کی آواز میں چہکار تھی۔

''تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے ناں ثمر......؟''

''کون سا وعدہ؟'' اس وقت اس کے ذہن میں دو سال پہلے کیے گئے وعدے کا خیال تک نہیں تھا۔

''تم نے وعدہ کیا تھا ثمر کہ اگر اللہ نے ہمیں اولاد دی تو تم یہ زندگی چھوڑ دو گے؟'' اس نے یاد دلایا ہے۔

''ہاں...... تو......؟'' اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

''تو اللہ نے ہماری توبہ قبول کر لی، ہمیں معاف کر دیا ثمر......''

وہ اتنی دور بیٹھا بھی اس کے لہجے سے چھلکتی خوشی کو محسوس کر سکتا تھا۔

''کیا مطلب...... کیا......؟'' اس کی آواز قدرے بلند ہوئی تھی۔ فاصلے پر بیٹھا جلیل خان اسے چونک کر دیکھنے لگا تھا۔

''ہاں ثمر اللہ نے ہمیں......'' اس کی آواز بھرا گئی تھی اور اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور اسے بات مکمل کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا۔

''سچ...... فرحی...... ایک بار پھر کہو...... کہیں میرے کانوں نے غلط تو نہیں سنا۔''

''نہیں......'' فرحی کی آواز بوجھل تھی۔

''میں چاہتی تھی یہ خوشخبری تمہیں فون پر نہ سناؤں ثمر بلکہ جب تم آؤ تو تب لیکن تم نے اتنے دن لگا دیے۔'' اب اس کی آواز میں ناز بھرا شکوہ تھا۔

''سوری...... فرحی بس یہاں کوئی کام اٹک گیا ہے، اس لیے واپسی میں دیر ہو رہی ہے لیکن میں جلد آنے کی کوشش کروں گا تم اپنا بہت خیال رکھنا اور باقاعدگی سے ڈاکٹر سے چیک اپ کرواتی رہنا۔''

''اور تمہارا وعدہ...... تم......''

''ایسا ہی ہوگا فرحی جیسا تم چاہو گی بے فکر رہو۔'' اس نے اسے بہت ساری ہدایات دے کر فون بند کیا تھا لیکن خود کتنی ہی دیر بے یقین سا بیٹھا رہا...... اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ چودہ سال بعد...... اللہ ان پر مہربان ہو گیا تھا...... فرحی سچ ہی کہتی تھی کہ انہوں نے صبر نہیں کیا تھا اور اللہ نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔ وہ جب آ رہا تھا تو فرحی کی طبیعت خراب تھی، چکر آ رہے تھے اسے اور وہ اسے ڈاکٹر کی طرف جانے کی تاکید کر کے آیا تھا۔ جلیل خان...... سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہتا تھا لیکن جلیل خان کی نظروں میں اب تشویش بھی شامل

ہوگئی تھی۔

"کیا بات ہے ثمر حیات...... فرحی بیٹی تو ٹھیک ہے ناں......؟"

"ہاں......" اس نے سر ہلایا تھا اور پھر اپنی نم آنکھیں پونچھتے ہوئے جلیل خان سے سب کچھ کہہ دیا۔ فرحی کی خواہش، اپنا وعدہ......اور جلیل خان لمحہ بھر سوچنے کے بعد مسکرایا تھا۔

"ٹھیک ہے ثمر حیات، فرحی مجھے بھی کچھ کم عزیز نہیں ہے۔ بیٹی ہے میری۔" جلیل خان نے روکا نہیں تھا منع نہیں کیا تھا بلکہ فراخدلی سے اجازت دے دی تھی کہ بچے کی پیدائش کے بعد جیسے چاہے زندگی گزارے۔ اس نے فرحی کی خواہش کا احترام کیا تھا۔ ان کے لیے جلیل خان کے دل میں بہر حال ایک نرم گوشہ تھا اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اڑ کر فرحی کے پاس پہنچ جاتا لیکن یہاں جلیل خان کا ایک کام پھنسا ہوا تھا اور وہ اتنا احسان فراموش ہرگز نہیں تھا کہ جلیل خان کو اکیلا چھوڑ کر چلا جاتا گو جلیل خان نے اسے رکنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ دراصل جلیل خان نے کچھ گولڈ کا سودا کیا تھا اور خاصی بڑی رقم پھنسا بیٹھا تھا۔ اب نہ وہ پارٹی رقم دے رہی تھی نہ مال......اس سودے میں جلیل خان کے ساتھ وہ بھی شامل تھا۔ اس لیے اسے مناسب نہیں لگا تھا کہ وہ جلیل خان کو معاملہ سنبھالنے کے لیے اکیلا چھوڑ جائے تاہم وہ تقریباً ہر روز فرحی کو فون کرتا......اسے تسلی دیتا اور اپنا بہت خیال رکھنے کو کہتا......معاملہ سیٹ ہوتے ہوتے وقت لگ گیا......اور یوں خلافِ توقع ہانگ کانگ میں اسے کئی مہینے لگ گئے اور جب وہ واپس آیا تو لاہور میں رکے بغیر سیدھا خانیوال چلا آیا تھا......فرحی بہت خوش تھی......اس کی صحت پہلے کے مقابلے میں بہت اچھی ہوگئی تھی اور چہرے سے ممتا کا جو نور جھلکتا تھا اس نے اسے مبہوت کر دیا تھا۔ کتنے سالوں بعد وہ دل سے ہنسا تھا، اس کے لبوں پر سچی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور وہ خوشی سے لبریز دل لیے فرحی کو والہانہ نظروں سے دیکھتا رہا اور اس خوشی میں اس وقت اور اضافہ ہوگیا تھا جب فرحی نے بتایا تھا کہ وہ جڑواں بچوں کی ماں بننے والی ہے۔

"کیا واقعی......؟" اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"میں جب پہلی بار ڈاکٹر کے پاس گئی تھی تو اس نے پوچھا تھا کہ کیا ہمارے خاندان میں کسی کے جڑواں بچے بھی ہیں اور جب میں نے بتایا کہ میرا بھائی اور بہن دونوں جڑواں ہیں تب ڈاکٹر نے کہا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ آپ بھی اپنی والدہ کی طرح جڑواں بچوں کی ماں بنیں۔" اور اس رات دونوں گھنٹوں بیٹھے باتیں کرتے رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو آرام کرنے کے لیے کہتے اور پھر کوئی نہ کوئی بات شروع کر دیتے تھے۔

"اگر اماں زندہ ہوتیں تو وہ بہت خوش ہوتیں۔ انہیں بہت شوق تھا کہ میری شادی ہو، بچے ہوں، میں اکلوتا تھا ناں اور اماں کو بہت چاہ تھی کہ میرے کم از کم تین چار بچے ہوں۔" وہ افسردگی سے ہنسا تھا۔

نہ فرحی کے والدین زندہ رہے تھے اور نہ اس کے اور اماں کا...... تو پھر پتا ہی نہیں چلا تھا۔ اس رات وہ دونوں روئے بھی تھے اور ہنسے بھی تھے۔ زندگی یک دم بہت خوب صورت ہوگئی تھی۔ خانیوال کے اس چھوٹے سے گھر میں جیسے خوشیوں کی پریاں اتر آئی ہوں، ہر دم رقص کرتی، گاتی ہوئی اور وہ جو ہر وقت اینگری ینگ مین بنا رہتا تھا۔ اب مسکراہٹ اس کے لبوں سے ہٹتی ہی نہیں تھی۔

اس نے فرحی کے ساتھ مل کر آنے والے بچوں کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کی تھی......وہ گھنٹوں بیٹھے پروگرام بناتے رہتے کہ انہیں اب کیا کرنا ہے......کہاں رہنا ہے، جلیل خان بھی ڈھیروں تحائف اور مٹھائی لے کر آیا تھا......اور ان کی خوشی میں برابر کا شریک تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ثمر حیات کوئی بزنس کرلے جبکہ فرحی کی خواہش تھی کہ وہ کوئی جاب کرلے...... آخر ماسٹر کر رکھا تھا اس نے......بالآخر فیصلہ یہ ہی ہوا کہ وہ کوئی بزنس ہی کرے گا۔

"ٹرن......ٹرن......" اس کا فون بج رہا تھا۔ وہ ماضی میں سفر کرتا حال میں پہنچ گیا۔ اس نے چونک کر فون اٹھایا اور

دیکھا اسکرین پر بگ با کا نام جگمگا رہا تھا لمحہ بھر وہ خالی، خالی نظروں سے یونہی اسکرین کو دیکھتا رہا جیسے ابھی تک وہ وہاں ہی ہو' خانیوال کے اس چھوٹے سے گھر میں...... فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ اس نے ایک جھرجھری سی لے کر فون آن کیا۔

''ثمر حیات کہاں ہو؟'' بگ با کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

''یہاں ہی ہوں بگ با ڈی ون میں۔''

''تمہاری ولسن سے ملاقات نہیں ہوئی؟''

''سوری...... بگ با...... ولسن نے مجھے عثمانیہ میں بلایا تھا۔ میں وہاں ولسن کا انتظار کر رہا تھا لیکن مجھے وہاں سے آنا پڑا کیونکہ وہاں عظام بھی تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھے دیکھ لے اور اسے دکھ ہو کہ میں پاکستان میں ہوں اور اسے خبر تک نہیں دی۔''

''آج کل تم عظام کے متعلق کچھ زیادہ ہی حساس ہو رہے ہو۔'' بگ با کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔ اس نے بگ با کے لہجے کے طنز کو نظر انداز کیا۔

''عظام میرے لیے دنیا کی ہر شے سے زیادہ قیمتی ہے بگ با......''

''ایرک بہت ناراض ہو رہا تھا...... یہ ملاقات بہت ضروری تھی ثمر حیات......'' بگ با کا لہجہ قدرے نرم ہوا۔

''میں نے ولسن سے کہا تھا کہ وہ کلفٹن والے کیفے میں آجائے اور میں وہاں دو گھنٹے انتظار کرتا رہا لیکن وہ وہاں نہیں آیا...... دو تین بار میں نے فون بھی کیا...... لیکن دوبارہ اس نے فون ہی اٹینڈ نہیں کیا۔''

''ہاں اس کا مزاج کچھ ایسا ہی ہے۔ وہ غالباً اس وقت عثمانیہ کے پاس پہنچ چکا تھا۔ تمہارے فون کی وجہ سے اس کا موڈ خراب ہو گیا خیر تم ایسا کرو کہ آج رات آٹھ بجے بالی کے ساتھ ایرک کے بنگلے پر چلے جانا۔'' بگ با کا لہجہ بدستور نرم تھا۔

''وہ تمہیں ایک بریف کیس دے گا وہ لے کر ڈی ون کے لاکر میں رکھ دینا۔''

''بگ با میں نے آپ سے ایک ریکوئسٹ کی تھی کہ میں اب اس دلدل سے نکلنا چاہتا ہوں۔''

''تم نے کبھی دلدل کو دیکھا ہے ثمر حیات؟ شاید نہیں...... لیکن اتنا ضرور جانتے ہو گے کہ جو ایک بار دلدل میں دھنس جاتا ہے تو وہ پھر دھنستا ہی چلا جاتا ہے۔''

ثمر حیات کا دل لمحہ بھر کے لیے ڈوب سا گیا وہ بگ با کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگا...... ''تو کیا اب وہ کبھی......؟'' وہ ایک بار پھر آزمائش پر پورا نہیں اترا تھا فرحی نے کتنا سچ کہا تھا...... وہ صابروں کے قبیلے سے نہیں تھا۔ اس نے صبر نہیں کیا تھا۔ وہ اللہ کی رضا پر راضی نہیں ہوا تھا اور اس نے جلیل خان کو ہی سب کچھ سمجھ لیا تھا...... اس نے اپنا آپ اللہ کے حوالے کرنے کے بجائے جلیل خان کے سپرد کر دیا تھا۔

اس کی خاموشی پر لمحہ بھر کے توقف کے بعد بگ با نے کہا۔

''ثمر حیات میں نے تم سے کہا تھا کہ اس پر سوچیں گے۔ فی الحال تو میں یہاں دبئی میں پھنسا ہوں جس بندے سے ملنا تھا وہ ابھی تک مل نہیں رہا...... لیکن میں جلد واپس آجاؤں گا۔''

''یس بگ با......'' اس کی آواز بجھی بجھی سی تھی۔

''ثمر......'' بگ با نے جیسے اس کی اداسی محسوس کر لی تھی۔

''عظام کو اپنی مجبوری مت بناؤ، زیادہ مت سوچا کرو اس کے متعلق۔''

''کیسے نہ سوچوں اس کے متعلق بگ با...... میرا اس کے سوا ہے ہی کون...... اور اس کا بھی میرے سوا کوئی نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں شکستگی تھی۔

''ثمر حیات......'' بگ با کچھ کہتے، کہتے خاموش ہو گیا۔

''او کے آٹھ بجے یاد سے ایرک سے ملنے جانا......'' اس نے فون آف کر دیا تو وہ کچھ دیر یونہی فون ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔ اگر بگ باس نے اسے ڈی ون میں ٹھہرنے کا حکم نہ دیا ہوتا تو وہ کب کا اپنے گھر جا چکا ہوتا۔ جب سے اس نے عظام کو عثمانیہ میں دیکھا تھا تب سے وہ اس سے ملنے کو بے چین ہو رہا تھا۔ وہ ولسن کے انتظار میں کونے والی ٹیبل پر بیٹھا تھا جب ایک ویٹر ٹرالی پر بڑا سا بلیک فوریسٹ کیک سجائے اس کے پاس سے گزرا تھا۔

''شاید کسی کی برتھ ڈے پارٹی ہے یہاں۔'' اس نے بالکل غیر ارادی طور پر پاس سے گزرتے ویٹر سے کہا تھا جو اس کا صورت آشنا تھا۔ وہ جب بھی یہاں آتا تھا اکثر یہی ویٹر اس کی ٹیبل پر سرو کرتا تھا۔

''جی صاحب......''

ویٹر ہلکے سے مسکرایا تھا۔

''کوئی عظام حیات صاحب ہیں۔ ان کا برتھ ڈے ہے آج...... پارٹی نہیں ہے بس گھر کے ہی چند افراد ہیں۔''

اس نے بے اختیار مڑ کر اُدھر دیکھا جدھر ویٹر ٹرالی لے کر گیا تھا اور پھر فوراً ہی رخ موڑ لیا۔ سامنے ہی رواحہ اور اس کے ساتھ غالباً اس کے بابا تھے اور رواحہ کے دائیں طرف عظام تھا...... اس کا آدھا چہرہ نظر آیا تھا اسے...... اس کا دل دھڑ، دھڑ کرنے لگا تھا۔ شکر ہے کہ رواحہ یا عظام نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ تب ہی کچھ لوگ ہوٹل میں داخل ہوئے تھے اور اب درمیان میں کھڑے ٹیبل کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظر دوڑا رہے تھے وہ فوراً اٹھا تھا اور ان کی آڑ میں باہر نکل آیا تھا۔ اور باہر آ کر ولسن کو فون کر دیا تھا کہ وہ فلاں کیفے میں آ جائے...... ولسن نہیں آیا تھا اور وہ ساری رات بے چین رہا تھا...... کئی بار اس نے عظام کا نمبر ملایا تھا اور پھر دو تین digit ملا کر بند کر دیا۔ اس نے تو کبھی عظام کی سالگرہ کا اہتمام نہیں کیا تھا کبھی اسے وِش نہیں کیا تھا...... شاید وہ اچھا باپ نہیں بن سکا تھا۔ یکا یک اسے پشیمانی نے آ لیا تھا اس نے فون اٹھایا اور نمبر ملانے لگا تب ہی دروازے پر دستک دے کر بالی گھبرایا ہوا سا اندر آیا...... اس نے فون آف کر دیا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ باس، سیمو کو دمے کا اٹیک ہوا ہے...... بہت اُکھڑی اُکھڑی سانس لے رہا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اِن ہیلر کا استعمال نہیں کیا اس نے؟'' وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

''کیا تھا باس' کوئی فائدہ نہیں ہوا...... اور اب تو اکھڑی، اکھڑی سانسیں آ رہی ہیں۔'' سیمو کو پچھلے دو تین سال سے دمے کی تکلیف تھی اور کبھی، کبھی تو اٹیک اتنا شدید ہوتا کہ اسپتال لے جانا پڑتا۔

''تم سیمو کو لے کر آؤ میں گاڑی نکالتا ہوں۔'' اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا ابھی صرف چھ بجے تھے۔ وہ میز سے گاڑی کی چابی اٹھا کر کمرے سے باہر نکل آیا...... وہ اسے ایک پرائیویٹ کلینک میں جو نزدیک ہی تھا لے گئے تھے۔ ڈاکٹر نے فوراً ہی ٹریٹ منٹ شروع کر دیا تھا تقریباً ایک گھنٹے بعد اس کی حالت سنبھل گئی تھی...... آٹھ بجے...... اسے ایرک سے بھی ملنا تھا سو وہ وہاں مزید نہیں رکے تھے۔ اگرچہ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ وہ کچھ دیر اور رک جائیں تاکہ طبیعت کچھ اور بہتر ہو جائے...... لیکن مجبوری تھی...... وہ کلینک سے باہر آنے لگا تھا کہ ممتاز خان کا فون آ گیا اور وہ اس سے باتیں کرتا ہوا گیٹ کی طرف بڑھا...... بالی، سیمو کو سہارا دیتا ہوا اس کے ساتھ ہی چل رہا تھا۔

''ٹھیک ہے ممتاز خان ابھی مجھے کہیں جانا ہے، رات میں تفصیل سے بات کروں گا۔'' اس نے فون بند کر کے پاکٹ میں ڈال کر جوں ہی گیٹ سے باہر قدم رکھا ٹھٹک کر رک گیا۔ مقابل بھی اسے دیکھ کر ٹھٹکا تھا اور پھر اس کے لبوں پر بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی...... اس کے سامنے وہ شخص کھڑا تھا جسے وہ کبھی زندگی میں دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا لیکن دنیا واقعی گول ہے...... وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہے تھے۔

''تم......؟'' چند لمحوں بعد ثمر حیات کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

جاری ہے